وآوینٰھما الیٰ ربوۃ ذات قرار ومعین o

چار کوٹ کے درویش

مبارک احمد راجوری
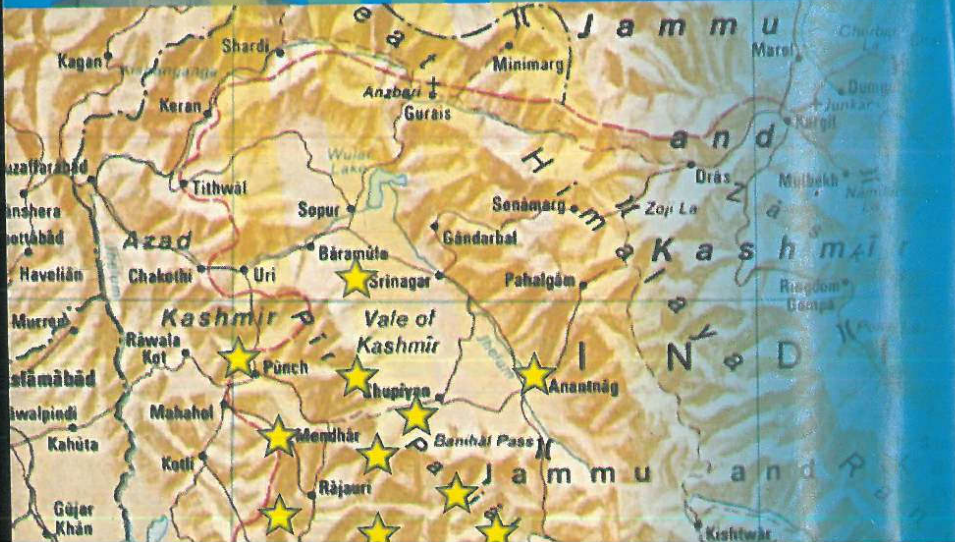
1: قبر حضرت قاضی محمد اکبر صاحب 2: قبر میاں فضل دین صاحب

علاقہ کا ایک خوشنما منظر

چارکوٹ کے درویش

مُصنّفہ

مبارک احمد راجوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روانگی ڈاک نظارت اشاعت
صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ
نمبر 6
11/3/09

مکرم مبارک احمد صاحب راجوری۔ عزیز آباد کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرتبہ کتاب "چارکوٹ کے درویش" میں نے پڑھ لی ہے

آپ کو اسے شائع کرنے کی اجازت ہے

والسلام

عبدالحی
ناظر اشاعت
ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

آمد صفحات 32-M

ارشاد

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

سب احمدی خاندانوں کو جن کی جڑیں اُس زمانہ میں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں یا اُس کے قریب کے زمانہ میں۔ اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے، اُن کا تعلق باللہ، جو نشانات اُن پر ظاہر ہوئے، جو عظیم قربانیاں دیں۔ ہر خاندان کو چاہیے کہ اپنی تاریخ خود مرتب کرے۔ اور پھر مرکز سے اس کی تصدیق بھی کروالے۔ تا کہ کوئی ایسی بات نہ آجائے کہ جو اپنے، بعض دفعہ بزرگوں کی محبت میں مبالغہ آمیزی سے بھی کام لیتے ہیں لوگ۔ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو تاریخ کے دوسرے واقعات سے متصادم ہوتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان خاندانی روایات کو اِس زمانہ میں جبکہ ابھی یادداشت لوگوں کی تازہ ہے۔ مرکز سے تصدیق کروالیں۔ پھر وہ جو رسالہ بنے گا یا کتاب بنے گی۔ وہ ان کی آئندہ نسلوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ وہ ان کے روحانی باغ کو پانی دینے کے لئے ہمیشہ کام کرے گی انشاء اللہ۔ اور موجودہ نسلیں جو پھیل گئی ہیں اُن کو بھی پتہ چلے گا کہ ہمارے آباؤ اجداد کیا تھے۔ اب ہم سے کیا توقع ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جو سب کو خاص طور پر ذہن نشین کرنا چاہیے۔ اور عمل کرنا چاہیے۔

(اُردو ملاقات 10 نومبر 1995ء)

عرض حال

خاکسار نے اپنی اس حقیر مساعی کا نام چارکوٹ کے درویش رکھا ہے اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ جن علاقہ جات کا آئندہ گزارشات میں ذکر ہے۔ وہاں پر جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعداد تقسیم ملک کے وقت بلاشبہ ہزاروں میں تھی، دینی و دنیاوی ہر دو لحاظ سے اپنا ایک نیک نام رکھتی تھی اور سلسلہ کے ساتھ نہایت اخلاص اور وفا کا تعلق رکھتی تھی۔ مقامی طور پر یہ جماعت ایک وسیع علاقہ میں قیام پذیر تھی مگر اس کو مرکز سے بہت کم راہنمائی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ بیرونی دنیا سے مکمل طور پر کٹا ہوا تھا راستے پہاڑی اور انتہائی دشوار گزار تھے۔ جو فاصلہ پنجاب اور کشمیر میں دنوں میں طے ہوتا تھا وہ یہاں ہفتوں میں طے ہوتے ایک جگہ سے دوسری جگہ راستوں کی پگڈنڈیوں پر چلنا پڑتا اگر گھوڑا بھی استعمال کیا جاتا تو پیدل سے بھی زیادہ وقت لیتا کیوں کہ جن جگہوں پر بکری نہ چل سکے وہاں گھوڑا کیا چلے گا پھر غربت بے انتہا تھی گھوڑے کی عیاشی کو کون پالتا۔ دوم یہ کہ جتنے افراد بھی جماعت کا حصہ بنے، وہ کسی مرکزی یا بیرونی کوشش کی وجہ سے نہ تھے بلکہ مقامی بزرگوں کی کوشش اور نیک نمونہ کی وجہ سے بنے۔ جیسا کہ ذکر کیا ہے راستے دشوار گزار اور دیگر ذرائع نقل و حمل قریباً ناپید تھے اور مرکز میں کشمیر سے مراد صرف وادیٔ کشمیر تھا کیوں کہ وہاں آنے جانے کی سہولتیں تھیں جبکہ یہاں تو کئی کئی دن پیدل چلنا پڑتا اور سامان ضرورت خود اٹھانا پڑتا۔ ٹھہرنے کے لیے کوئی ہوٹل یا سرائے نہ تھی، لوگ غربت کے مارے ہوئے تھے اور کسی قسم کی کوئی ظاہری کشش نہ تھی۔ لہٰذا ان تمام متفرق وجوہات کی بناء پر کسی کی اس علاقہ کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی۔ نیز حالات کی ستم ظریفی

دیکھئے کہ باوجودیکہ یہاں ایک بہت بڑی جماعت قیام پذیر تھی مگر جب کوئی قادیان جاتا تو اس کی شناخت جمونی کے طور پر کی جاتی گویا ان لوگوں کی اپنی شناخت بھی نہ تھی۔ جموں چارکوٹ سے تقریباً تین دن کی پیدل مسافت پر تھا۔ تقسیم ملک کے بعد بھی یہ اصطلاح لمبا عرصہ استعمال ہوتی رہی اس لیے خاکسار یقین کے طور پر کہہ سکتا ہے کہ وہاں پر جماعت کا قیام اور انتظام اور متواتر جدوجہد سے مقامی لوگوں نے جماعت کو بڑھایا ورنہ ایک لمبا عرصہ تک کوئی مربی یا بزرگ چارکوٹ یا دیگر علاقوں میں نہیں گیا حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے تو بہت بعد میں یہاں آئے اور وہ بھی کئی ماہ یا سال کے بعد ہی دورہ پر جماعتوں میں آسکتے تھے کیونکہ آپ کے زیر تربیت علاقہ بہت وسیع تھا۔ آپ ان بزرگوں کی کاوشوں کو داد دیں جنہوں نے باوجود یہ کہ حالات نامساعد تھے اور رابطوں کا فقدان تھا، مندرجہ ذیل علاقوں میں جماعت کو منظم اور مستحکم کیا اور تقسیم ملک کے وقت ہزاروں لوگ پاکستان ہجرت کر آئے مگر آج بھی ان علاقوں میں جماعت کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔

چارکوٹ ایک وسیع پہاڑی علاقہ تھا جہاں پر جماعت کی بنیاد رکھی گئی یہاں سے مندرجہ ذیل علاقوں میں لوگ پھیلے۔

1۔ کالا بن
2۔ بڈہانوں اور اس سے ملحقہ علاقہ جات
3۔ مینڈر اور اس سے ملحقہ علاقے
4۔ رہتال تحصیل راجوری

جیسا کہ آگے ذکر آئے گا جماعت کے قیام کے روح رواں جناب قاضی محمد اکبر صاحب تھے۔ چونکہ یہ علاقہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے جہلم اور دیگر علاقوں سے رجوع کرتا اور ان لوگوں کا تعلق اہل حدیث سے تھا اس لیے جہلم کے اہل حدیث ائمہ سے قاضی صاحب کے خاندان کے روابط تھے۔ چنانچہ جب 1894ء میں چاند اور سورج گرہن کا

واقعہ ہوا تو محترم قاضی صاحب نے حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمیؓ سے اس
بارے میں استصواب کیا جس پر مولوی برہان الدین صاحبؓ نے آپ کو اطلاع دی کہ
حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ نے اس طرح کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ قادیان سے اس بارہ
میں رجوع کریں اور معلومات حاصل کریں۔ حضرت مولانا برہان الدین صاحب
جہلمیؓ نے اس وقت بیعت کر لی تھی۔ حضرت قاضی محمد اکبر صاحب چونکہ ان دنوں بیمار تھے
اس لیے آپ نے مندرجہ ذیل تین اصحاب کو تحقیق کے لیے قادیان روانہ کیا۔

1۔ میاں غلام قادر صاحب، جو آپ کے داماد تھے۔

2۔ میاں عبدالواحد صاحب، جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔

3۔ میاں دیوان علی صاحب قربینہ والے۔

یہ اصحاب قادیان گئے اور تحقیق کے بعد بیعت کر کے واپس لوٹے۔ جس کے
بعد قاضی محمد اکبر صاحب قادیان گئے اور بیعت کی آپ کے ساتھ غالباً محترم صلاح محمد
صاحب تھے۔ جو مسجد مبارک میں مؤذن تھے اور جون 1908ء میں قادیان میں فوت
ہوئے۔ اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔ لیکن اُن کے خاندان کے مطابق میاں صلاح محمد
بہت بعد میں قادیان گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔

تیسری بات جس کی وجہ سے میں نے اس کتاب کا نام درویشانِ چارکوٹ
رکھا، یہ ہے کہ باوجود یہ کہ بعد میں کئی ایک لوگ یہاں سے دینی لحاظ سے قابل قدر مقام پر
پہنچے لیکن کسی صاحب نے بھی خواہ مقامی ہو یا غیر مقامی ان لوگوں یا علاقہ کے کوائف نہ
لکھے۔ ایک صاحب محترم نے کوشش کی مگر کوائف یا تو نامکمل اور یک طرفہ تھے بلکہ بعض تو
حقائق کے ہی خلاف تھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ آج جماعت احمدیہ کے واقفین زندگی میں اس علاقہ سے تعلق
رکھنے والوں کی نسل سے ایک کافی بڑی تعداد ہے مگر تا حال ان میں سے بھی کسی کی اس
طرف توجہ نہ ہو سکی اور آج کی نئی نسل تو ان بزرگوں کا نام بھی نہیں جانتی۔ جیسا کہ ابتداء میں

ہی ذکر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بھی اس بارہ میں توجہ دلا چکے ہیں کہ نئی نسل کے لئے
ہر خاندان کے افراد کو چاہیے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے تذکرہ کو محفوظ کریں۔ جبکہ ایک مرتبہ
آپؒ نے یہ تحریک بھی فرمائی کہ کسوف وخسوف کے نتیجہ میں جن خاندانوں میں احمدیت کا
نفوذ ہوا، وہ خاندان بھی اپنے آباء کے حالات وواقعات کو تحریری صورت میں محفوظ کریں۔
راقم سے کئی ایک دوستوں نے رابطہ کیا کہ اس طرف ضرور توجہ ہونی چاہیے، وگرنہ اگلی نسل تو
بالکل ہی ان بزرگوں کے کوائف سے بے خبر ہوگی۔ اس سلسلہ میں آخری دوست ماسٹر محمد
حنیف صاحب مرحوم تھے۔ خاکسار نے بھی غالباً ایک ادھوری کوشش کی ہے اور ممکن ہے
بعض باتیں تحقیق کی رو سے مکمل نہ ہوں، لیکن جتنے بھی نام وغیرہ ممکن ہو سکے اکٹھے کئے
ہیں۔ یہ حقیر کوشش یقیناً ان لوگوں کے لیے ایک روشنی ہوگی جن کے پاس مجھ سے زیادہ
معلومات اور علم ہے۔

غالباً 1957ء یا کسی قریب کے سال میں حضرت المصلح الموعودؓ نے فرمایا تھا
کہ کشمیر میں دو جماعتی پٹیاں ہیں ایک راجوری سے پونچھ اور دوسری وادی کشمیر کی پٹی کا ذکر
تھا۔ وادی کشمیر کے لیے تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر راجوری سے پونچھ والی پٹی پر اگر سو
فیصد نہیں تو نوے فیصد سے زیادہ جماعت کی تعداد ہمارے خاندان سے ہی متعلق ہے۔
دوسرے جموں سرینگر شاہراہ کی طرف بھی جماعت کی کافی بڑی تعداد موجود تھی۔ جس کا
ذکر ایک دوست نے روزنامہ الفضل میں 2007ء میں کیا تھا کہ وہ فلاں علاقہ سے تعلق
رکھتے ہیں جہاں جماعت کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

تقسیم ملک کے وقت خاکسار کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی۔ اس لیے ایسی
معلومات جو میری پیدائش سے قبل کی ہیں، شنیدہ ہیں لیکن راقم نے دیانتدارانہ کوشش کی
ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے صحیح معلومات کو ہی اس کتاب کا حصہ بنایا جائے کئی ایک نام محض اس
لیے چھوڑ دیئے گئے کہ راقم کے پاس اس کی تصدیق کا کوئی خاطر خواہ ذریعہ نہ تھا۔ خاکسار
کی اس کاوش میں مندرجہ ذیل بزرگوں نے مدد کی۔ اول، میرے بڑے بھائی ڈاکٹر شریف

احمد راجوری (میڈیکل پریکٹیشنر) جن کی عمر چوراسی سال کے قریب ہے۔ دوم، میری خوشدامن محترمہ جنت بی بی صاحبہ جن کی عمر نوے سال سے زیادہ ہے۔ مگر یادداشت بہت اچھی ہے۔ فجز اھما اللہ خیراً۔ آپ کو لوگوں کے نام بمعہ ان کی مخصوص شناخت کے ازبریاد ہیں۔ نیز مکرم راشد محمود صاحب مربی سلسلہ کا بھی خاکسار ممنونِ احسان ہے جنہوں نے خاندان کے بعض بزرگوں کے متعلق اخبار الفضل سے پرانے مضامین تلاش کئے۔ اسی طرح عزیزم مصباح الدین محمود مربی سلسلہ جو کہ خاکسار کے بھتیجے ہیں۔ ان تمام واقعات و حالات کی جانچ پڑتال کے سلسلہ میں باوجود اپنی مصروفیات کے میری معاونت فرماتے رہے۔ فجز اھم اللہ خیراً۔ علاوہ ازیں بعض خاندانوں سے رابطہ کیا گیا مگر کسی نے اپنے بارے میں اطلاع نہیں دی۔ آخر میں پھر عرض ہے کہ یہ واقعات تقریباً ایک سو سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں اس لئے اگر کسی نام یا شناخت میں کوتاہی ہوئی ہو تو اسکو راقم کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ سمجھا جائے بلکہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے سہواً ایسا ہوا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبولیت کا درجہ دے اور میری مغفرت کا ذریعہ بنے ایک اور چیز خاکسار واضح کردے کہ یہ سب میری ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے لہٰذا کسی کمی وبیشی کو جماعت احمدیہ کی ترجمانی نہ تصور کیا جائے۔

ناچیز

مبارک احمد راجوری

کراچی

12.03.2009

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

چارکوٹ

چارکوٹ کا علاقہ ایک سنگلاخ پہاڑی علاقہ تھا۔ یہ راجوری شہر سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر شمال مغرب میں اور تقریباً اتنا ہی فاصلہ پونچھ سے تھا۔ یہ علاقہ پونچھ سے جنوب مغرب کی طرف تھا اور جہلم سے مشرق کی طرف تھا۔ اس علاقہ سے کوئی پختہ یا کچی سڑک راجوری، پونچھ، سرینگر، جہلم یا کسی قابل ذکر علاقہ کی طرف نہ جاتی تھی صرف پگڈنڈی نما راستے تھے یا راجوری سے پونچھ کی طرف جانے والے راستہ کو جہاں زیادہ گزرنے والی جگہ کو صاف کر کے گزرگاہ کی شکل دے دی جاتی۔ بعض راستے اتنے دشوار گزار تھے کہ وہاں بکری بھی مشکل سے گزر سکتی، پانی کا ذریعہ یا تو چشمے تھے یا بارش اور بارش کی وجہ سے کسیاں ہوتی تھیں جو بارش کے دوران دریا بن جاتے یا تھوڑا بہت چشموں کا پانی وہاں سے گزرتا۔ یہاں پر راجپوت کے مشہور خاندان بھٹی نے اپنے لئے رہائش کا انتظام کیا اور جہاں جہاں زمین قابل زراعت تھی۔ وہاں خاندان کے افراد نے کھیتی باڑی شروع کردی۔ یہ خاندان ایک وسیع علاقہ پر پھیلا ہوا تھا اور ہر خاندان کی شناخت وہاں کی کسی خاص نشانی کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ جیسا کہ جکالہ، ڈبی والا، ٭ الی والے، مونہیاں والے وغیرہ۔ اس خاندان نے اس انتہائی دشوار گزار جگہ کا کب اور کیوں انتخاب کیا اس حوالہ کا بھی خاندان میں ذکر نہیں کیا گیا۔ بہرصورت انیسویں صدی کے آخر میں یا بیسویں

صدی کی ابتداء میں خاندان کی سربراہی مکرم قاضی محمد اکبر صاحب کے خاندان میں تھی اور ان ہی کے خاندان میں علاقہ کی نمبرداری تھی اور آپ کے ماموں حبیب علاقہ کے نمبردار تھے۔ اسی طرح قاضی صاحب کے دوسرے عزیز میاں امان علی صاحب علاقہ کے مہاراجہ کی طرف سے چوکیدار تھے۔ قاضی صاحب علاقے میں ایک جید عالم تھے اور اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ آٹھ بھائی تھے جن میں سے اکثر صاحبِ علم تھے۔ اس علاقے میں کچھ افراد گکھڑ خاندان کے بھی تھے جن کی رشتہ داریاں بھٹی خاندان سے ہوئیں۔ ایک آدھ مغل خاندان بھی تھا۔ یہ علاقہ یا تو سنگلاخ پہاڑوں یا جنگلات پر مشتمل تھا۔ اور درمیان میں جہاں ممکن تھا کاشتکاری کی جاتی تھی۔ بارانی علاقے اور زراعت کا سارا دارومدار بارش پر ہوتا تھا۔ اس لئے جیسا کہ بعد میں ذکر آئے گا یہ خاندان جب بڑھنا شروع ہوا تو مینڈر، کالابن، بڈہانوں، رہتال، ساج، اور دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کرتا گیا جو کہ زیادہ زرخیز علاقے تھے۔

چارکوٹ میں احمدیت

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ علاقہ باقی علاقوں سے رابطوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کٹا ہوا تھا۔ اس کو اپنی اشیائے ضروریات زندگی جہلم اور دوسرے ملحقہ علاقہ جات سے منگوانی پڑتی تھیں۔ اس لیے ان لوگوں کے تعلقات جہلم کے لوگوں سے تھے اور چونکہ یہ اہل حدیث تھے اس لیے پنجاب کے ائمۂ اہل حدیث سے ان لوگوں کے تعلقات و روابط تھے۔

احمدیت کا آغاز کب اور کن حالات میں ہوا مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا مگر بزرگوں سے سنا اور حالات سے اندازہ کے ماتحت جب 1894ء میں چاند اور سورج گرہن کا واقعہ ہوا تو حضرت قاضی محمد اکبر صاحب نے تمام خاندان کو بتایا کہ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ امام مہدی ظاہر ہو چکے ہیں اور علاقہ میں اس بات کا کافی چرچا ہو گیا۔ اس عرصہ میں

کچھ لوگ حسبِ ضرورت جہلم گئے اور قاضی صاحب کا پیغام حضرت مولانا برہان الدین صاحبؓ کو دیا کہ موجودہ حالات میں آپ کی کیا ہدایت اور رائے ہے۔ جواباً حضرت مولانا برہان الدین صاحبؓ نے قاضی صاحب کو پیغام بھجوایا کہ اس طرح حضرت مرزا غلام احمد نامی بزرگ نے قادیان سے دعویٰ کیا ہے۔ مزید تحقیق قادیان سے کریں آپ نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ یہ پیغام مکرم قاضی محمد اکبر صاحب کو موصول ہوا تو آپ اس وقت بیمار تھے اس لیے آپ نے تین آدمیوں کا ایک وفد جو مندرجہ ذیل تین افراد پر مشتمل تھا قادیان بھجوایا۔

1۔ میاں غلام قادر صاحب

2۔ میاں عبدالواحد صاحب

3۔ میاں دیوان علی قرہینہ والے

یہ وفد قادیان گیا اور تین ماہ وہاں رہا اور بعد تحقیق شرفِ بیعت سے فیضیاب ہو کر واپس آیا۔ اس کے بعد خود مکرم قاضی محمد اکبر صاحب قادیان گئے اور جا کر بیعت کی۔ کیا آپ اکیلے گئے یا کوئی آپ کے ساتھ گیا اس کی تصدیق خاکسار کو نہیں ہو سکی۔ مگر جیسا کہ ذکر آیا بعد میں ایک دوست جن کا نام صلاح محمد صاحب تھا اور ان کا خاندان آپ کو رفیق حضرت اقدسؑ کہتا ہے، وہ آپ کے ساتھ گئے اور جا کر بیعت کی آپ کا قیام قادیان میں تین ماہ کے قریب رہا۔ بیعت کے بعد آپ نے علاقہ میں اور خاندان میں دعوت الی اللہ شروع کر دی۔ خاندان کے بعض سرکردہ افراد نے آپ کے جواب میں سخت مخالفت شروع کر دی۔ جس میں پیش پیش آپ کا ماموں نمبردار حبیب تھا۔ اس نے قاضی صاحب کو بہت ایذا پہنچائی اور کوئی موقع تکلیف دینے کا نہ چھوڑا۔ اس سے قبل جب پہلا وفد قادیان سے بیعت کر کے آیا تو اس نے وفد کو مخاطب کر کے کہا یہ تم کیا کوڑھ لے کر آئے ہو مگر اللہ کی شان دیکھئے کہ بعد میں اسی حبیب نمبردار کے بیٹے فتح محمد کو کوڑھ کا مرض ہو گیا اور وہ اسی ذلت آمیز حالت میں دنیا سے گزر گیا۔ جب مخالفت زیادہ ہو گئی اور خاندان میں تفرقہ

زیادہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خاندان کے ایک دوسرے سرکردہ آدمی جو علاقے کا چوکیدار بھی تھا جس کا نام محترم امان علی تھا، کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ میاں امان علی صاحب کے قبولِ احمدیت کے بعد نمبردار حبیب کی شرارتوں میں کمی آگئی اور آہستہ آہستہ جماعت کی طرف لوگوں کا رجوع تیز تر ہوتا گیا خود قاضی صاحب کے سات بھائی تھے۔ میاں امان علی صاحب (جو آپ کے سمدھی تھے) کی بیعت کے بعد جماعت کی ترقی و تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے نمبردار حبیب کے بیٹے فتح محمد کو کوڑھ کے مرض میں مبتلا کر کے اس کے لیے درسِ عبرت بنا دیا تو دوسری طرف پورے خاندان میں احمدیت کو فروغ ہوگیا۔ اب یہ حالت ہوگئی کہ ہر گھر میں احمدیت کسی نہ کسی طرح سے داخل ہوگئی۔ چونکہ رشتہ داریاں خاندان میں ہوتی تھیں اس لیے اگر احمدی لڑکی کی شادی خاندان کے غیر احمدی گھر میں ہوگئی تو لڑکی کے نیک نمونے کی وجہ سے وہ خاندان بھی احمدی ہوگیا اور اگر غیر احمدی لڑکی کسی احمدی کے گھر آگئی تو وہ گھر بھی جماعت کا حصہ بن گیا اور حالت ایسی ہوگئی کہ اگر کوئی احمدی نہ بھی تھا تو وہ بھی اس کا اظہار نہ کرتا اور اگلی نسل تو خدا کے فضل سے ان رشتہ داریوں کی وجہ سے ہی احمدی ہوگئی۔ اسی نمبردار کا ایک بیٹا عبداللہ تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے فیروز دین، علی اکبر، شاہ محمد، محمد حسین۔ وہ خود تو احمدی نہ ہوا۔ البتہ فیروز دین کا بیٹا ستر دین تھا خدا نے اس کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق دی تو اس نے اپنے والد اور تین چچاؤں کو احمدی کر لیا۔ نمبردار حبیب کی ایک ہی بیٹی تھی اسکے پہلے خاوند کی وفات کے بعد اس نے دوسری شادی میاں فضل دین ابن قاضی محمد اکبر صاحب سے کر لی اور اس کے پہلے خاوند سے ایک بیٹا محمد عالم اور ایک بیٹی بھی احمدی ہوگئی اس موقع پر خاکسار کے نزدیک بزرگوں سے ایک کوتاہی یہ ہوئی کہ رشتہ داریوں کو ہی کافی سمجھا گیا جو لوگ جماعت سے باہر رہ گئے ان کو یہ خیال کر کے کہ بعد میں خود ہی جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر بعد کے حالات سے یہ ثابت ہوا کہ یہ صحیح نہ تھا۔ اس سے مخالفت جو دشمنی کا رنگ رکھتی تھی وہ تو ختم ہوگئی مگر ایک چھوٹا سا گروہ اپنے پرانے عقائد پر قائم رہا۔ یہ گروہ صرف چارکوٹ میں

تھا اور ان کی اپنی ایک مسجد تھی خاکسار چھوٹی عمر میں ایک بار اپنے چچا کے گھر گیا تو اس وقت میں نے وہ مسجد جمعہ کے دن دیکھی۔ یہ لوگ صرف چارکوٹ میں ہی تھے باقی علاقوں میں خدا کے فضل سے تمام دوست انتہائی مخلص احمدی تھے۔

یہ تو ابتدائی دور کی بات تھی کہ کس طرح خاندان میں جماعت کا اثر و رسوخ ہوا۔ مگر بعد میں جب جماعت نے منظم دعوتِ الی اللہ کی مہم شروع کی تو جماعت کی جانب سے حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ سبز پگڑی والے اور مخالفین کی طرف سے مولوی لال حسین اختر اور دیگر علماء پنجاب سے جاتے اور ایک فاصلہ پر دونوں گروہ بیٹھ کر زبانی اور تحریری مباحثات اور مناظرات کرتے۔ درمیان میں پیغام رسانی کے لئے آدمی مقرر ہوتے جو تحریری سوال و جواب ایک دوسرے کے علماء کو پہنچاتے۔ مگر فسادات کا کوئی موقع نہ آیا اور بعد میں لوگ اکٹھے گھروں کو جاتے۔ مولوی لال حسین اختر کے ساتھ ایک مباحثہ کا ذکر حضرت مولوی محمد حسین صاحب نے اپنی سوانح حیات میں بھی فرمایا ہے۔ اس قسم کے دو مباحثوں میں خاکسار کو جو ایک بچہ تھا، شامل ہونے کا موقع ملا۔ لوگ دور و نزدیک سے شامل ہوئے۔ اسی طرح 1940ء کے بعد راجوری شہر میں بھی ایک ایسے ہی مناظرے کا اہتمام کیا گیا۔ جماعت نے شہر میں ڈھول بجا کر منادی کا اہتمام کیا۔ طریقہ کار یہ ہوتا کہ ایک شخص ڈھول پیٹتا۔ جب مجمع اکٹھا ہو جاتا تو اعلان کرتا ''سنئے جنابِ عالی کیا کہتا ہے منادی والا، منادی سنئے غور سے پھر بات کیجئے کسی اور سے، آج یا کل فلاں مقام پر جماعت احمدیہ کا جلسہ منعقد ہوگا جس میں مولوی محمد حسین صاحب مبلغ اسلام جماعتِ احمدیہ فلاں موضوع پر تقریر فرمائیں گے۔ آپ سے درخواست ہے جلسہ میں شامل ہو کر جلسہ کی رونق بڑھائیں''۔ پھر ڈم ڈم (ڈھول کی آواز) اور اگلا اعلان۔ ان جلسوں میں ہر قسم کے لوگ شمولیت کرتے۔ یہ دن نوجوانوں کے لئے بڑے پر کشش ہوتے۔ لیکن ان جلسوں کی وجہ سے کشیدگی ہرگز نہ بڑھتی، بلکہ لوگ خوشی خوشی شامل ہوتے۔ اور بعد میں احمدی اور غیر احمدی اکٹھے گھروں کو جاتے۔ انفرادی مناظروں میں

رہتال میں جماعت کی نمائندگی میاں عبداللہ صاحب ابن قاضی محمد اکبر صاحب، میاں عبدالرحیم صاحب یا میاں ثناء اللہ صاحب کرتے۔ جبکہ دوسروں کی طرف سے مولوی عبدالعزیز ہوا کرتے۔ جو جسامت کے لحاظ سے لمبے تڑنگے تھے مگر انتہائی محبت کرنے والے بزرگ تھے۔ ہم بچے جب اسکول جاتے تو یہ شہر جاتے ہوئے ملتے تو ہم بچے آپ کو زور زور سے سلام کہتے اور یہ بڑی محبت سے پیش آتے۔ یہ غالباً گجر خاندان کے تھے۔ اوجھیان کی طرف ان کی رہائش تھی۔ ہمارے بزرگوں سے ان کے تعلقات عقیدت مندانہ تھے۔ یہ پیشہ کے لحاظ سے زمیندار تھے کوئی سقہ بند مولوی نہ تھے مگر صاحبِ علم تھے۔ بہرحال چارکوٹ اور قریب کے دیگر علاقوں میں جماعت اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑی ہو چکی تھی۔ جس کا ذکر تاریخ احمدیت جلد نمبر 5 صفحہ 439 پر اس طرح ہے کہ صوبہ جموں کے ضلع ریاسی کے مندرجہ ذیل علاقوں میں احمدی جماعتیں قائم ہو چکی تھیں۔ راجوری، ہڑانہ، چارکوٹ، رہتال، ہموسان، ساج، موہریاں، کالابن، ڈھرانہ، دھوڑیاں۔

رہتال

چارکوٹ چونکہ ایک پہاڑی علاقہ تھا اور ذرائع آمدورفت ناپید اور زمین کاشت کے لیے کم تھی۔ اس لیے خاندان ملک کے مختلف اطراف میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ قاضی محمد اکبر صاحب اپنے خاندان کا ایک حصہ لے کر چارکوٹ سے تحصیل راجوری کے علاقہ رہتال میں چلے گئے جو وہاں سے 24 میل کے فاصلے پر تھا۔ دو بھائی بڈھانوں چلے گئے ان کے سسرالی رشتہ داروں میں دو برادر نسبتی میاں دیدار بخش اور میاں کریم بخش بھی بڈھانوں چلے گئے آپ کے جو بھائی بڈھانوں چلے گئے ان میں میاں عطاء اللہ صاحب اور میاں ثناء اللہ صاحب شامل تھے محترم قاضی صاحب کی سات بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ شروع میں آپ نے اپنے داماد میاں غلام قادر صاحب اور بیٹے میاں فضل دین کے ساتھ

رہتال کے مقام پر ایک وسیع و عریض جگہ کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے منتخب کیا اور کاشت کاری شروع کی۔ بعد میں آپ نے اپنے داماد میاں محمد اسماعیل، جن کی شادی آپ کی چوتھے نمبر والی بیٹی رقیہ بیگم سے ہوئی، ان کو ایک وسیع زرعی قطعہ زمین دے دیا۔ یہ زمین مہاراجہ کی طرف سے موروثی حق کے ساتھ آپ کو دی گئی تھی۔ یعنی کوئی قانون آپ کو اس زمین سے بے دخل نہیں کر سکتا تھا اور نسل در نسل یہ ہماری ملکیت تھی۔ ہاں اس زمین کی آمدن کا ایک حصہ ہمیں مہاراجہ یا اسکے اُس عزیز کو دینا پڑتا جس کو مہاراجہ نے یہ حق دیا ہوتا تھا۔ بعد میں قاضی محمد اکبر صاحب کے دوسرے داماد میاں روشن دین بھی یہاں منتقل ہو گئے۔

رہتال کی زمین تین قسم کی تھی ایک بارانی جو نسبتاً اونچائی پر تھی۔ دوسری جو دریا سے سیراب ہوتی تھی۔ تیسری جہاں صرف گھاس ہوتی تھی اور سردیوں میں سوکھا گھاس جانوروں کے لیے اکٹھا کیا جاتا تھا۔ اس علاقہ میں زمین صرف تین خاندانوں کے پاس تھی۔ ایک قاضی محمد اکبر صاحب دوسرے میاں غلام قادر صاحب اور تیسرے میاں محمد اسماعیل صاحب۔ بارانی زمین میں چاول کے سوا ہر قسم کی فصلیں کاشت کی جاتیں اور چونکہ بارش کثرت سے ہوتی اس لیے پانی کی کمی نہیں تھی۔ دریا سے سیراب ہونے والی زمین پر چاول کاشت کیے جاتے یا دوسرے موسم میں دوسری فصل۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس علاقے میں دوستوں کی ایک بڑی تعداد شفٹ ہو کر آ گئی جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ رہتال کی زمین چونکہ علاقہ کی بہترین زمین تھی اور اس پر ہمارے موروثی مالکانہ حقوق تھے مگر چارکوٹ کی زمین ہماری ملکیت تھی۔ خاندان کے بعض لوگ ساج چلے گئے جو چارکوٹ سے 24 میل کی دوری پر تھا مگر وہاں احمدی بہت کم تھے۔ چارکوٹ سے چند خاندان کالابن چلے گئے۔ کالابن اور چارکوٹ کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس میں جنگل تھا جس کی وجہ سے اسے کالابن یا کالا جنگل کہا جاتا یہاں پر چیڑھ کے درخت ہوتے تھے۔ اس مختصر تفصیل کے بعد میں ان خاندانوں کا ذکر خیر کروں گا جو اس علاقہ میں آباد تھے۔

قاضی محمد اکبر صاحب

جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ چارکوٹ میں احمدیت کا نفوذ حضرت قاضی صاحب کی کوششوں کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔ آپ کے والد صاحب کا نام نور محمد تھا۔ آپ نے خود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ کچھ دن آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کے بعد اس خیال سے کہ وطن واپس پہنچ کر تبلیغ کرنی چاہیے، حضرت اقدس سے اجازت لے کر واپس چارکوٹ آ گئے۔ گھر پہنچ کر تبلیغ شروع کی۔ جس کے نتیجے میں آپ پر فتوے لگائے گئے اور ہر ممکن تکلیف دینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن آپ نے تبلیغ برابر جاری رکھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس سعی کو قبول فرمایا اور علاقہ راجوری میں احمدیت ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گئی۔ آپ کی وفات پر آپ کے بھتیجے ماسٹر بشیر احمد صاحب نے 1931ء میں روزنامہ الفضل میں ایک مضمون تحریر کیا۔ جس میں آپ حضرت قاضی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

"آپ اکثر گھر کے کام دھندے چھوڑ کر سرزمین قادیان میں آتے اور احمدیت کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے۔ جب لمبا قیام منظور ہوتا تو باوجودیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لنگر بارہ مہینے جاری رہتا۔ آپ کچھ دن لنگر سے روٹی کھاتے اور پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں اپنے مطلب کے لئے آیا ہوں لنگر پر مفت کا بوجھ نہ ڈالنا چاہیے محنت مزدوری کر کے درویشانہ زندگی بسر کرتے ......

تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے گرداگرد جو شیشم کے درخت نظر آتے ہیں ان کے لانے اور لگوانے میں آپ نے حصہ لیا۔ جب مسجد نور کے پاس کا کنواں بن رہا تھا تو آپ بھی وہاں کام کرتے رہے۔ قادیان میں دینی باتیں اخذ کرتے اور جب واپس جاتے تو سلسلہ کی چھوٹی چھوٹی کتب، رسالے وغیرہ ہمراہ لے جاتے۔ وطن پہنچ کر لوگوں کو پڑھنے کے لئے دیتے۔ خود پڑھ کر سناتے۔ جو مسائل قادیان سے سیکھ جاتے ان سے دوسروں کو

بھی مستفیض کرتے۔ آپ تبلیغ کو اپنا اولین فرض سمجھتے اور ہمیشہ دوسروں کو بھی تبلیغ کرنے کی نصیحت فرماتے۔ آخری عمر میں بھی باوجودیکہ سخت ضعیفی اور ناتوانی کے آپ تبلیغ میں مصروف رہے۔ کھڑے نہیں تو بیٹھے بیٹھے ہی بیٹھ نہ سکتے تو لیٹے لیٹے ہی دوسروں کو دینی باتیں سناتے رہتے اور نصائح کرتے۔ قرآن مجید سے آپ کو کمال محبت تھی۔ جدھر جاتے قرآن ساتھ ہوتا۔ بلاناغہ روزانہ منزل کرتے۔ دوسروں کو پڑھاتے، مطلب بتاتے۔ پچھلے سال جب میں گھر گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا میں اب چند دن کا مہمان ہوں اس لئے جب میں اس جہان سے گزر جاؤں تو دو باتیں کرنا۔ (1) حضرت خلیفة المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے درخواست کرنا کہ میرا جنازہ غائب پڑھیں (2) تمام جماعت سے میرے حق میں دعا کرانا۔"

(الفضل 21 مئی 1931ء)

لہٰذا آپ کی اس خواہش کے مطابق حضرت المصلح الموعودؓ نے ازراہِ شفقت آپ کا نمازِ جنازہ غائب مورخہ 5 جون 1931ء کو پڑھایا۔ جس کا اعلان روزنامہ الفضل مورخہ 23 جون 1931ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

آپ کے سات بھائی اور دو بیٹے تھے۔ بیٹوں کے نام میاں فضل دین صاحب اور میاں عبداللہ صاحب، جبکہ سات بیٹیاں اور ایک بہن تھیں۔ ایک بھائی میاں عبدالرحمن تھے۔ جن کے دو بیٹے تھے ایک کا نام میاں عبدالرحیم تھا اور دوسرے میاں عبدالحق صاحب تھے۔ میاں عبدالحق صاحب جوانی میں وفات پا گئے تھے آپ شادی شدہ تھے۔ آپ کا ایک بیٹا گوجرانوالہ میں آباد ہے اور صاحبِ اولاد ہے۔ میاں عبدالرحیم ایک عالم آدمی تھے آپ نے تین شادیاں کیں اور کافی بڑے کنبہ کے سربراہ تھے۔ آپ نے گھر کے پاس ایک مسجد بنائی ہوئی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد خاکسار کی ملاقات ایک مرتبہ واہ کیمپ میں ہوئی۔ آپ جمعہ وغیرہ پڑھاتے تھے اور علاقے میں اثر و رسوخ رکھنے والے تھے تقسیم کے وقت آپ جلسوں میں نظمیں بھی پڑھا کرتے تھے۔

قاضی محمد اکبر صاحب جو علاقہ کے ایک جید اہل حدیث عالم تھے۔ وہ دینی لحاظ سے تمام خاندان اور دیگر اہلحدیث فکرِ خیال کے لوگوں کے راہنما تھے۔ اور حقیقت میں انہی کی کوششوں کے ذریعے چارکوٹ کے علاقہ میں احمدیت کا نفوذ ہوا۔ آپ کے سات بھائی اور ایک بہن تھی۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ کے بھائیوں میں میاں عبدالرحمن، میاں ثناءاللہ، میاں عطاءاللہ، میاں عبدالواحد، میاں حیات علی، میاں بہادر علی اور میاں صفدر علی تھے۔ آپ کی ہمشیرہ کا نام روشنا یا روشن بی بی تھا۔ آپ کی وفات غالباً 1947ء میں ہوئی۔ آپ کے ایک داماد جو کہ آپ کے معتقدین میں شامل تھے، ان کا نام میاں غلام قادر صاحب تھا۔ آپ گکھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے مگر چارکوٹ کے رہنے والے نہ تھے بلکہ کسی دوسری جگہ سے وہاں آئے تھے۔

قاضی محمد اکبر صاحب کی زوجہ محترمہ سرداری بیگم، میاں کریم بخش اور میاں دیدار بخش کی چھوٹی بہن تھیں۔ گو ظاہری لحاظ سے پڑھی لکھی نہ تھیں مگر دینی مروجہ علم پر کافی دسترس تھی۔ چونکہ قاضی صاحب کی وجہ سے خاندان کی سربراہ تھیں اس لیے مہمان نوازی میں یکتا تھیں۔ دوسری جگہ سے خاندان کے افراد کثرت سے آتے اس لیے قرابت داری نبھانا بھی آتا تھا۔ آپ کا خاندان چونکہ بہت بڑا خاندان تھا اس لیے سسرالی، میکہ اور دامادی رشتہ داریوں کی وجہ سے آپ کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ آپ کا گھر کافی بڑا گھر تھا مسجد آپ کے گھر کے قریب ہی تھی اس لیے اس کی صفائی ستھرائی آپ کی نگرانی میں یا آپ کا خاندان ہی کرتا تھا آپ کی مسجد چونکہ مرکزی مسجد تھی اس لئے تمام اجتماعات وہاں ہوتے تھے۔ قاضی صاحب کی سات بیٹیاں تھیں۔ آپ نے اکثر علاقے کے دیندار نوجوانوں کو خود دینی تعلیم دی اور ان سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کیں۔

پھر ہماری نانی سرداری بیگم زوجہ قاضی محمد اکبر صاحب کا خاندان تھا جو بعد میں بڈھانوں چلا گیا تھا۔ جس میں آپ کے بھائی میاں کریم بخش، میاں دیدار بخش، میر محمد اور جمال دین تھے۔ مؤخر الذکر دو بھائی چارکوٹ میں ہی رہائش پذیر رہے۔

تیسرا بڑا صاحبِ اثر خاندان میاں امان علی صاحب کا تھا جو علاقہ میں مہاراجہ کی طرف سے چوکیدار مقرر تھے۔ انکے ایک چھوٹے بھائی تھے پھر جیسا کہ آگے ذکر آئے گا یہ تمام خاندان رشتہ داریوں کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے اور تمام لوگ ایک کنبہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تمام خاندان کسی نہ کسی جگہ رشتہ داری کی وجہ سے ایک دوسرے سے آپس میں منسلک تھا۔

میاں فضل دین صاحب

آپ قاضی محمد اکبر صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کی پہلی شادی اپنے بڑے ماموں کریم بخش کی بیٹی ناظر بی بی صاحبہ سے ہوئی ان سے آپ کی دو بیٹیاں ہوئیں ایک کا نام محمد بی بی اور دوسری کا نام امتہ الحئی تھا۔

دوسری شادی آپ نے اپنے والد صاحب کے اس ماموں کی بیوہ بیٹی سے کی جو آپ کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ پہلی شادی سے اس کا ایک بیٹا محمد عالم اور ایک بیٹی تھی۔ جو آپ کی کفالت میں تھے اور مخلص احمدی تھے۔ اس بیگم کا نام بیگماں بیگم تھا اس بیوی سے آپ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بشیر احمد تھا۔ بشیر احمد صاحب کی وفات 1997ء میں ہوئی۔ بشیر احمد صاحب کے ایک بیٹے عطاء الرقیب مربی سلسلہ ہیں۔ میاں فضل دین صاحب کی زوجہ اول آخر وقت تک رہتال میں رہائش پذیر تھیں۔ دونوں ہجرت کے بعد پاکستان آگئیں اور یہیں وفات پائی۔ قاضی محمد اکبر صاحب اور میاں فضل دین صاحب رہتال سے چارکوٹ کثرت سے آتے جاتے رہتے تھے۔ دونوں کی وفات چارکوٹ میں ہوئی جہاں پر اب بھی آپ کی قبور محفوظ ہیں۔ قاضی صاحب کا چارکوٹ والا گھر ایک خوبصورت گھر تھا اور بڑی بیت بھی آپ کے گھر سے قریب تھی جہاں جمعہ ہوتا تھا۔

میاں عبداللہ صاحب

آپ محترم قاضی محمد اکبر صاحب کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ ایک خوبصورت شخص تھے۔ قد لمبا، سانولا رنگ، خشخشی داڑھی۔ آپ رہتال میں زمیندارہ کرتے تھے۔ آپ جماعتِ احمدیہ رہتال کے صدر بھی رہے اور اکثر جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کافی خوش الحان تھے۔ اور علاقہ کے رواج کے مطابق غمی خوشی کے وقت کتاب سامنے رکھ کر نظم یا نعت بھی پڑھتے تھے۔ جس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہو جاتے، یہ اکثر غمی کے موقع پر ہوتا۔ آپ کی شادی بڈہانوں میں اپنے چھوٹے ماموں میاں دیدار بخش کی بیٹی زینب بی بی سے ہوئی۔ آپ انتہائی نیک سیرت خاتون تھیں۔ خدا نے آپ کو جسمانی لحاظ سے بھی خوبصورت بنایا ہوا تھا اور دینی لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے منور تھیں۔ کئی دفعہ خاکسار کو بچپن میں آپ کی معیت میں بڈہانوں جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ راستہ میں لوگوں کو دینی کمی بیشی سے آگاہ کرتیں۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ ایک بیٹا بشیر احمد عین جوانی میں چند دن بیمار رہ کر فوت ہو گیا جبکہ باقی دو بیٹے ڈاکٹر منظور احمد اور فیض احمد حیات ہیں اور گوجرانولہ میں قیام پذیر ہیں۔ فیض احمد صاحب کے ایک بیٹے راشد محمود مربی سلسلہ ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کی وفات 1980ء میں گوجرانوالہ میں ہوئی۔ اور وہیں مہاجر کیمپ نمبر چار کے قریب قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

قاضی محمد اکبر صاحب کی ایک بہن تھیں جن کا نام روشن بی بی تھا۔ آپ کی شادی خاکسار کے بڑے تایا میاں اکبر علی صاحب سے ہوئی آپ چارکوٹ میں رہائش پذیر تھیں۔ آپ کے دو بیٹے میاں عبداللطیف اور راجہ خورشید احمد صاحب تھے اور ایک بیٹی ہدایت بی بی تھیں۔ آپ راجوری سے مینڈر جانے والے کچے راستے پر جکالا کے مقام پر رہتی تھیں۔ آپ کے بیٹے میاں عبداللطیف زمیندارہ کرتے۔ آپ کی پہلی شادی میاں دیوان علی کی بیٹی جنت بی بی سے ہوئی جن کو آپ نے طلاق دے دی جبکہ دوسری شادی

میاں عطاء اللہ صاحب (جو کہ آپ کے پھوپھا تھے) کی بیٹی عائشہ بیگم سے ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد آپ کی تیسری شادی ہمارے چچا میاں حسن محمد کی بیٹی سے ہوئی۔ آپ پاکستان بننے کے بعد گرمولا ورکاں میں زمیندارہ کرتے اور وہاں ہی وفات ہوئی۔

آپ کے دوسرے بیٹے راجہ خورشید احمد صاحب ہیں۔ آپ بچپن ہی سے قادیان چلے گئے اور مدرسہ احمدیہ میں زیر تعلیم رہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ احمد نگر چلے آئے جہاں جامعہ احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ وقتی طور پر جب آپ کا وظیفہ جماعتی مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا تو آپ نے دوکان کھول لی مگر تعلیم بند نہ ہونے دی۔ یہ عرصہ آپ کے لیے بہت تکلیف دہ تھا کیونکہ دوکانداری تو برائے نام تھی۔ آپ ایک کمرہ میں رہتے اور ساتھ ہی بچوں کے کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے۔ خود بتاتے تھے دوکانداری تو کوئی نہ تھی اس لیے حضرت مولانا ابو العطاء صاحب اکثر آپ سے خریداری کرتے تا کہ آپ تعلیم جاری رکھ سکیں۔ آخر یہ دور ختم ہوا اور آپ کا تعلیمی وظیفہ بحال ہوا۔ جامعہ احمدیہ ربوہ منتقل ہوا تو آپ ربوہ آ گئے۔ آپ اس جماعت کے طالب علم تھے جس کو شاہد کی ڈگری جامعہ احمدیہ سے پہلی دفعہ ملی۔ آپ نے بطور مربی سلسلہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور آزاد کشمیر میں کام کیا۔ آزاد کشمیر میں آپ کو کافی تکالیف دی گئیں۔ 1974ء کے پر آشوب دور میں آپ مظفر آباد میں تھے۔ وہاں ایک مشتعل ہجوم نے بیت پر حملہ کیا جہاں آپ قیام پذیر تھے۔ آپ کے پاس لائسنس یافتہ بندوق تھی جس سے آپ نے ہوائی فائرنگ کی اور مجمع منتشر ہو گیا۔ بعد میں جب آپ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملنے گئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے پتہ تھا کہ وہاں ہمارا ایک بہادر مربی ہے۔ آپ ماشاء اللہ صاحبِ اولاد ہیں۔ آپ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے مکرم اسماعیل مبارک احمد مظفر آباد کے امیر ضلع کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ اور مظفر آباد میں ایک بنک کے ریجنل کمپیوٹر سنٹر کے انچارج ہیں۔ دیگر بیٹے ڈاکٹر عمران احمد خورشید (آسٹریلیا)، ذوالقرنین احمد (آسٹریلیا)، ذوالمعارج احمد (لاہور) ہیں۔

جبکہ بیٹیاں خلعت باری (شیخوپورہ)، رفعت (اسلام آباد)، صبیحہ (اسلام آباد) اور عطیہ ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

میاں ثناء اللہ صاحب

حضرت قاضی محمد اکبر صاحب کے ایک بھائی میاں ثناء اللہ صاحب بڈھانوں کے رہائشی تھے۔ آپ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ مختلف وقتوں میں علاقہ کے صدر جماعت بھی رہے۔ آپ 1908ء میں پہلی بار قادیان گئے لیکن قبل ازیں تحریری بیعت کے ذریعے جماعت میں شامل ہو چکے تھے۔ محترم راجہ خورشید احمد صاحب منیر واقفِ زندگی کی روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ''جب بٹالہ صبح کے وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ قیام گاہ کا پتہ کر کے ملاقات وزیارت کی تمنا لے کر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لاہور جانے کے لئے سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اس لئے اب ملاقات نہیں ہو سکتی، بعض دوستوں کے کہنے کے مطابق میں قادیان چلا گیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسی سفرِ لاہور میں وصال ہو گیا۔ جب جسد مبارک قادیان لایا گیا تو آپ کا چہرہ مبارک دیکھا۔ جنازہ اور تدفین کے کام میں شریک ہوا اس کے بعد حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات وزیارت میری قسمت میں نہ تھی کاش میں لاہور چلا جاتا تو زندگی میں آپ کی زیارت نصیب ہو جاتی''۔

(روزنامہ الفضل مؤرخہ 19 اپریل 1959ء)

آپ نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی مائی بساں سے ہوئی۔ یہ بہت نیک اور دیندار خاتون تھیں۔ جبکہ دوسری حسینی اور تیسری بیوی ریشماں تھیں۔ مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی۔ آپ بہت نیک آدمی تھے۔ آپ کچھ عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے طب اور حدیث کے مضمون میں شاگرد بھی رہے اور آپ کے درس قرآن کریم میں شامل ہوتے

رہے۔ آپ کو حضرت المصلح الموعودؓ کا ہم جماعت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ اپنے علاقہ میں ایک کامیاب معالج تھے۔ علاج معالجہ میں بھی خدمتِ خلق کا وصف نمایاں تھا۔ علاج کے لئے کوئی خاص رقم مقرر نہ کیا کرتے تھے بلکہ جتنا کسی کو میسر ہوتا دے دیتا۔ جبکہ غرباء کا علاج مفت کیا کرتے تھے۔ بڑے بھائی قاضی محمد اکبر صاحب کی طرح آپ کو بھی تبلیغ کا جنون تھا۔ علاقہ میں بہت سے افراد آپ کے ذریعے جماعت میں شامل ہوئے۔ چونکہ جماعت کے صدر بھی رہے اس لئے افرادِ جماعت کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رہتا۔

اس ضمن میں محترم راجہ خورشید احمد صاحب منیر مربی سلسلہ آپ کی وفات پر ایک مضمون میں آپ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

''جماعتِ احمدیہ بڈھانوں کے عرصہ سے پریذیڈنٹ رہے۔ جماعت کی تعلیم و تربیت میں بہت کوشاں رہتے۔ نظامِ سلسلہ کی پابندی کرانے میں پوری کوشش کرتے۔ درس وتدریس کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھتے۔ مردوں اور عورتوں کو یسرنا القرآن، قرآن کریم ناظرہ اور مترجم حسبِ مراتب باقاعدہ پڑھانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ بہت سے مرد اور عورتیں جو کہ بڑی عمر تک پہنچ چکے تھے مگر قرآن کریم پڑھنا نہ جانتے تھے۔ آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں قرآن کریم ناظرہ و مترجم اور دیگر دینی کتب پڑھیں۔ جماعت کی ہر قسم کی ترقی کے لئے بہت کوشش کرتے۔ خود موصی تھے اور کئی افراد کو تحریک کر کے وصیت کروائی۔ ہر قسم کے چندوں میں باقاعدہ حصہ لیتے اور جماعت کو بھی تحریک کرتے۔ چندوں کی وصولی میں انہماک سے کام لیتے۔ ہر ایک سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق ضرور کچھ نہ کچھ وصول کر کے مرکز میں بھجواتے۔ ہر رنگ میں سلسلہ کی خیر خواہی مدنظر رکھتے۔ مہمان نوازی کی صفت سے بھی متصف تھے۔ طبیعت بہت سادہ تھی صوفی منش تھی۔ اپنی طبیعت کے بزرگوں سے خاصی محبت تھی۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ اکثر ان کا ذکر خیر کیا کرتے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح

الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذات مبارک سے بے حد محبت تھی ۔ جب بھی جلسہ سالانہ پر تشریف لے جاتے تو ہمیشہ حضور پر نور کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لے جاتے''۔

(روز نامہ الفضل مؤرخہ 9 اپریل 1959ء)

راقم کو یاد ہے غالباً 1949ء میں میری والدہ ناصر آباد سندھ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئیں جبکہ راقم ایک بچہ تھا اور والدہ کے ساتھ تھا۔ حضورؓ نے آپ اور آپ کے بھائی میاں عطاء اللہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ آپ بہت نیک اور فرشتہ سیرت تھے مگر دونوں بھائیوں میں بہت اختلاف رہتا تھا میں ہر دو کو بہت سمجھاتا رہتا۔ آپ کی وفات جنوری 1959ء میں بڈہانوں میں ہوئی۔

میاں عطاء اللہ صاحب

قاضی صاحب کے دوسرے بھائی میاں عطاء اللہ تھے۔ آپ بھی بڈہانوں میں رہائش پذیر تھے۔ آپ بھی علم دوست شخصیت تھے۔ آپ غالباً 1900ء کے لگ بھگ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔ لیکن سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باقاعدہ دستی بیعت 1906ء میں کی۔ رجسٹر روایات میں آپ کی رقم فرمودہ روایت کچھ اس طرح سے ہے۔ آپ لکھتے ہیں

''1906ء میں قادیان آیا۔ جمعہ کے دن نماز سے پہلے حضورؑ کی دستی بیعت کی۔ اس وقت سوائے میرے اور کسی صاحب نے بیعت نہیں کی۔ حضورؑ نماز سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے مسجد مبارک میں تشریف لائے اور مجلس فرمائی۔ علاقہ پکھل کے ایک مشہور پیر بھی اس مجلس میں تھے۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں سوال کیا کہ حضور نمازِ قصر کتنی مسافت پر ہوتی ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ کو کس لئے سفر کرنا پڑتا ہے۔ پیر صاحب نے عرض کیا حضور ہم مریدوں سے شیرینی حاصل کرنے جاتے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا یہ رسم اس وقت سے پڑ گئی ہے جب پاک و بزرگ لوگ گزر گئے اور ان کی اولاد میں وہ روحانیت

نہ رہی کہ لوگ ان کے پاس جا کر فیض حاصل کریں۔ اس لئے ان بزرگوں کی اولاد نے خود مریدوں کے پاس جانا شروع کیا۔ اس موقع پر حضورؑ نے ایک لطیفہ بھی سنایا۔ فرمایا ایک پیر صاحب نذرانہ حاصل کرنے کے لئے کسی گاؤں میں گئے۔ مرید صاحب پیر صاحب کی آمد کی خبر سن کر چھپ گئے۔ پیر صاحب ان کی تلاش کرنے لگے۔ آخر ایک دن پیر کی نظر مرید پر پڑ گئی۔ مرید بھاگنے لگا۔ پیر صاحب نے کہا بھائی بھاگتے کہاں ہو نذر لاؤ۔ مرید نے جواب دیا۔ پیر صاحب ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ کی نظر نہ لگ جائے۔ اس موقعہ پر حضورؑ نے تبسم فرمایا اور ساری مجلس ہنس پڑی۔ اس کے بعد حضورؑ نے پیر صاحب سے فرمایا کہ آپ مریدوں سے کہیں کہ وہ آپ کی شیرینی بذریعہ منی آرڈر بھیجا کریں۔ آپ خود نہ جایا کریں۔ قصر کے متعلق حضورؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ایک مولوی صاحب نے ایک نظم پڑھی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا۔

ٹوٹے وہ ہاتھ جس نے تجھ کو نہ مانا

پھوٹے وہ آنکھ جس نے تجھ کو نہ پہچانا

اس نظم کے بعد ایک دوست نے اعلان کیا کہ کسی دوست نے بیعت تو نہیں کرنی۔ جس پر خاکسار کے بڑے بھائی محمد اکبر صاحب نے مجھے کہا کہ اٹھ کر عرض کرو کہ میں نے بیعت کرنی ہے۔ اس پر حضورؑ نے خاکسار کی بیعت لی۔ اس روز مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے خطبہ پڑھا۔

(نشان انگوٹھا عطاء اللہ ولد نور محمد 5.1.1941۔ رجسٹر روایات نمبر 14 صفحہ 242و243)

میاں عطاء اللہ صاحب کی شادی میاں امان علی صاحب کی دختر جمال بی بی سے ہوئی۔ جن سے آپ کے تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیٹا ماسٹر بشیر احمد صاحب آف چارکوٹ، ایک بیٹا میاں رفیق احمد اور دوسرا بیٹا میاں نذیر احمد تھے یہ دونوں بڈہانوں میں والد کے ساتھ رہتے۔ میاں نذیر احمد کافی عرصہ فوج میں بھی رہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد گاؤں آ گئے۔ میاں عطاء اللہ بھی زمیندارہ کرتے تھے۔ بڈہانوں کی مسجد میاں

ثناء اللہ صاحب اور میاں عطاء اللہ صاحب کے گھروں کے درمیان تھی اور وہی اس کا انتظام و انصرام کرتے تھے۔ ماسٹر بشیر احمد صاحب ابھی بچہ ہی تھے کہ آپ کے والد آپ کو قادیان چھوڑ آئے۔ آپ نے میٹرک قادیان ہی سے کی اور 1929ء میں میٹرک کے امتحان میں متحدہ پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ بعد از میٹرک آپ نے زندگی وقف کر دی۔ حضرت المصلح الموعودؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ میڈیکل میں جائیں کیونکہ جماعت کو ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ اس کا علم جب آپ کے والد میاں عطاء اللہ صاحب کو ہوا۔ تو آپ قادیان گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے اپنا بیٹا قادیان اس لئے نہیں چھوڑا تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے بلکہ چارکوٹ کی جماعت ان پڑھ اور پسماندہ ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ وہ چارکوٹ کی جماعت کی تعلیم اور تربیت کرے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے علاقہ کی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے آپ کو حکم دیا کہ آپ چارکوٹ میں جا کر اسکول کھولیں اور علاقہ کے بچوں کو تعلیم دیں۔ آپ نے تن تنہا یہ کام کیا۔ علاقہ کے بچے دور و نزدیک سے تعلیم حاصل کرتے۔ آپ انتہائی قلیل مشاہرہ پر کام کرتے اور مخالفانہ حالات کے باوجود احسن رنگ میں تعلیم و تربیت کی۔ جس کے نتیجہ میں آج بے شمار واقفینِ زندگی برصغیر اور بیرونِ ممالک میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اپنی انتھک محنت سے اسکول کو پرائمری سے مڈل تک پہنچایا۔ سنا ہے کہ اب یہ اسکول احمدیہ ہائی اسکول چارکوٹ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خواہش کو بھی اس طرح پورا کیا کہ موسمی تعطیلات میں پونچھ میں محترم ڈاکٹر بشیر محمود مرحوم کے پاس چلے جاتے اور وہاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پریکٹس بھی کرتے۔ اسی طرح یونانی طب میں بھی امتحانات پاس کئے۔ ہجرت کے بعد آپ واہ کیمپ آگئے۔ کیمپ میں بھی میڈیکل خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے پاس باقاعدہ میڈیکل کی ڈگری تو نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی اور لوگ آپ سے علاج کروانے کو ترجیح دیتے تھے۔

آپ کی غالباً زمین بھی تھی۔ آپ کی شادی میاں اکبر علی ولد میاں امان علی صاحب اور روشنا بیگم کی بیٹی ہدایت بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ رشتہ میں راقم آپ کا ماموں زاد ہے اور محترمہ ہدایت بی بی صاحبہ کا چچازاد بھائی ہے۔ آپ کے چار بیٹے ہیں۔ اول میاں عبدالمنان صاحب جو آزاد کشمیر کے آڈیٹر جنرل ہو کر ریٹائر ہوئے اور فوت ہو گئے ہیں۔ عبدالمنان صاحب کی شادی اپنے چچا رفیق احمد صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔ ایک بیٹے عبدالودود ہیں جو کہ آزاد کشمیر کے محکمہ تعلیم میں افسر تھے اور آجکل ربوہ میں قیام پذیر ہیں۔ ایک بیٹے میجر ڈاکٹر کرشن احمد ہیں۔ آپ فوج میں ملازمت کرتے تھے آجکل شیخوپورہ میں رہائش پذیر ہیں۔

ماسٹر بشیر احمد صاحب کے ایک صاحبزادے گرمولا ورکاں میں ہیں اور زمیندارہ کرتے ہیں آپ کا نام غالباً عبدالباقی ہے۔ ماسٹر بشیر احمد صاحب کو مہاراجہ کی طرف سے تحصیلدار کے عہدہ کی پیشکش کی گئی تھی جس کو آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں نے اپنے آپ کو جماعت کے لیے وقف کیا ہوا ہے اس طرح آپ نے دین کے لیے ایک اعلیٰ عہدہ رد کر دیا۔ دراصل مہاراجہ کی اس پیشکش کے کئی محرکات تھے۔ اول وہ علاقہ جو کہ ایک پسماندہ علاقہ تھا اور مسلمان آبادی پر مشتمل تھا اس کو تعلیم سے محروم رکھنا۔ دوسرے اس پورے علاقے میں کوئی میٹرک پاس نہ تھا اس لیے وہ آپ کے ذریعہ سے ریاست کو فائدہ پہنچانا چاہتا تھا۔ گو اس کا بھی یہی نتیجہ نکلتا کہ لوگ تعلیم سے محروم رہیں۔ اس اسکول سے کئی احمدی نوجوانوں نے تعلیم حاصل کی جن میں راجہ خورشید احمد صاحب، مولوی غلام احمد صاحب نسیم، خاکسار کے بڑے بھائی ڈاکٹر شریف احمد اور کئی دیگر شامل ہیں۔ ماسٹر بشیر احمد صاحب کی ایک بیٹی نصرت بی بی تھیں۔ آپ کی شادی عبدالعزیز شاد صاحب کے ساتھ ہوئی۔ جن کی اولاد میں دو بیٹے عبدالمومن طاہر صاحب اور حافظ عبدالکریم صاحب مربی سلسلہ ہیں۔ مکرم عبدالمومن صاحب لندن میں عربی ڈیسک کے انچارج ہیں۔

میاں عبدالواحد صاحب

قاضی صاحب کے ایک بھائی میاں عبدالواحد صاحب تھے آپ حضرت مسیح موعودؑ کے رفیق تھے اور پہلے وفد میں (جو حضرت قاضی محمد اکبر صاحب کے ایماء پر تحقیق کے واسطے پیدل گیا تھا) شامل تھے۔

میاں حیات علی صاحب

یہ قاضی محمد اکبر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے زیادہ تر عمر پنجاب میں گزاری۔ پنجاب میں مولویوں کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے آپ نے باقی بھائیوں کی نسبت بعد میں بیعت کی۔ آپ کا سنِ بیعت 1914ء ہے۔ ان کے علاوہ قاضی صاحب کے تمام بھائی حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے قاضی محمد اکبر صاحب کی سات بیٹیاں تھیں۔ آپ نے سب کی شادی علاقہ کے دیندار نوجوانوں سے کی۔ اکثر کو آپ نے دینی تعلیم دی اور بعد میں ان سے اپنی بچی کی شادی کر دی۔

بھاگ بھری صاحبہ

جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ قاضی محمد اکبر صاحب کی سات بیٹیاں تھیں چنانچہ آپ کی بڑی بیٹی کا نام بھاگ بھری تھا جو بھاگاں کے نام سے معروف تھیں۔ ان کی شادی محمد جعفر سے ہوئی اور اس سے ان کے پانچ بیٹے شاہ محمد، دین محمد (یہ صاحب بعد از تقسیمِ ملک ناصر آباد سندھ میں کاشتکاری کرتے تھے)، تیسرے بیٹے میاں فیروز دین، چوتھے بیٹے میاں عبداللطیف اور پانچویں میاں فقیر محمد تھے۔ میاں جعفر کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی کر لی تو ان بچوں کو آپ کی خالہ سارہ بیگم جو میاں غلام قادر سے بیاہی ہوئی تھیں

اور ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، نے پالا۔ اور وہی آپ کی زمینوں پر کاشتکاری کرتے۔ شاہ محمد اور دین محمد چار کوٹ میں کاشتکاری کرتے جبکہ باقی تین رہتال میں سکونت پذیر تھے۔ عبداللطیف اور فقیر محمد فوج میں بھرتی ہو گئے اور جنگ عظیم دوم کے خاتمہ پر گاؤں آ گئے۔ عبداللطیف اور فیروز دین کی شادی ان کی خالہ زاد سعیدہ بیگم اور نور بی بی (یہ دونوں آپس میں حقیقی بہنیں تھیں اور میاں روشن دین صاحب کی بیٹیاں تھیں) سے ہوئی۔ جبکہ فقیر محمد کی شادی ان کی دوسری خالہ کی بیٹی ہدایت بی بی بنت میاں علم دین سے ہوئی۔ بھاگ بھری صاحبہ کی دوسری شادی سے ان کے دو لڑکے عبدالکریم اور عبدالغنی اور ایک لڑکی فاطمہ بیگم پیدا ہوئے یہ سب بہن بھائی اپنی خالہ سارہ بیگم کے ہاں رہتے اور ان کی زمین کو کاشت کرتے۔ ہجرت کے بعد یہ لوگ پہلے مانسہرہ کیمپ پھرواہ کیمپ اور آخر میں گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہوئے اور وہاں ہی فوت ہوئے۔ میاں غلام قادر صاحب کی وفات مانسہرہ کیمپ میں ہوئی۔

سارہ بیگم صاحبہ

مکرم قاضی محمد اکبر صاحب کی دوسری بیٹی کا نام سارہ بیگم تھا۔ یہ ایک بہت بزرگ خاتون تھیں۔ صاحبِ کشف ورویاء، تہجد گزار، دینی شعائر کی پابند، دنیاوی لحاظ سے صاحبِ حیثیت اور بارعب شخصیت تھیں۔ آپ کی شادی میاں غلام قادر صاحب سے ہوئی۔ جو علاقہ میں حضرت مسیح موعودؑ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے تین بزرگوں میں سے ایک تھے۔ شروع میں جب رہتال کے علاقے میں جماعتی تنظیم ہوئی تو آپ ہی رہتال کے صدر تھے۔ دونوں میاں بیوی لوگوں کی ہر طرح سے خدمت کرتے۔ چونکہ علاقہ ہر طرح سے پسماندہ تھا اس لیے آپ دونوں میاں بیوی حکمت کے ذریعہ سے لوگوں کا مفت علاج کرتے اور یہ محض خدمتِ خلق کے طور پر کرتے۔ حالانکہ آپ کی زمین بعض لحاظ سے محترم قاضی محمد اکبر سے زیادہ تھی۔ آپ کی اپنی کوئی اولاد بھی نہ تھی بلکہ بہن کے آٹھ

بچوں کی کفالت فرماتے ۔آپ اور قاضی محمد اکبر صاحب کا خاندان عوام الناس کا یونانی علاج بغیر کسی لالچ کے کرتے ۔ میاں غلام قادر صاحب زمیندارہ کرتے اور چونکہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے میاں جعفر آف چارکوٹ کے بچے آپ کے ساتھ زمین کا انتظام وانصرام کرتے ۔ان کی شادیاں وغیرہ آپ ہی نے کیں ۔آپ کا مکان بہت بڑا تھا بعد میں جب مرکز سے کوئی نمائندہ آتا (یہ 1940ء کے بعد کی بات ہے) تو اکثر آپ کے ہاں قیام کرتا۔ آپ نے حکمت کی وجہ سے مختلف روغنیات کے لیے ایک کوہلو بھی لگوایا ہوا تھا۔ محترمہ سارہ بیگم شکل وصورت کے لحاظ سے بارعب اور لمبے قد کاٹھ کی تھیں ۔نڈر اور بے خوف تھیں، جس کا نظارہ خاکسار نے 1947ء کے فسادات کے دوران کیا جب بعض دفعہ حفاظتی نقطۂ نظر سے عورتوں اور بچوں کو کسی دوسرے مقام پر بجھوادیا جاتا ۔تو میں نے دیکھا آپ کے پاس ڈنڈہ نما چیز ہوتی ۔ جس کو دونوں طرف سے کھینچا جاتا تو اندر سے وہ ایک بڑا خنجر بن جاتا ۔آپ بظاہر زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں مگر دینی علوم کی ماہر تھیں ۔آپ میاں بیوی کے تعلقات علاقہ کے مسلم اور غیر مسلم لوگوں سے تھے اور لوگوں کی غمی خوشی میں شریک ہوتے ۔ بلکہ اس میں تمام خاندان کے مرد وزن برابر کے حصہ دار تھے ۔قاضی صاحب کی تمام بیٹیاں دینی لحاظ سے مکمل علم رکھتی تھیں ۔قاضی محمد اکبر صاحب کے بیٹے اور تین داماد جو رہتال میں قریب قریب آباد تھے، علاقہ کی تمام تقریبات میں شامل ہوتے ۔ شام کو سارے خاندان کے مرد قاضی صاحب کے گھر اکٹھا ہوتے اور اس طرح ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے ۔اگر کوئی مرد نہ آتا تو اس کا پتہ کیا جاتا کہ کیوں غیر حاضر ہے۔ کیونکہ شروع میں علاقے غیر آباد اور آبادیاں دور دور تھیں اور جنگلی درندے عام ہوتے ۔ جلسہ سالانہ قادیان پر مرد وخواتین قافلہ کی صورت میں جاتے اکثر پیدل جاتے یا اگر گھوڑا کرائے پر مل جاتا تو راستہ میں لے لیا جاتا۔

حسنی بیگم صاحبہ

قاضی محمد اکبر صاحب کی تیسری بیٹی کا نام حسنی بیگم تھا۔آپ کی شادی میاں روشن دین صاحب سے ہوئی ، جو گکھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ شروع میں آپ کی رہائش چارکوٹ میں تھی مگر بعد میں رہتال آ گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ قاضی محمد اکبر صاحب اور میاں فضل دین صاحب نے فیصلہ کیا کہ ان کو اپنی چوتھے نمبر والی بیٹی رقیہ بیگم کو زمین میں سے ایک حصہ دیدیا جاوے۔ حسنی بیگم اور میاں روشن دین صاحب کی اولاد میں دو بیٹے عزیز دین اور محمد حسین سمیت چھ لڑکیاں تھیں ۔میاں روشن دین صاحب نے علاقہ کے ایک آدمی کی شراکت سے ایک پانی کی چکی لگائی ۔جس کو کراٹ کہتے تھے ۔ یہ علاقہ میں کافی مشہور تھی ۔اسکو چلانے کے لیے دریا سے ایک نہر سے پانی لایا جاتا وہ پانی بعد میں علاقے کی زمین کو سیراب کرتا ہوا واپس دریا میں چلا جاتا۔آپ لوہار کا کام بھی کرتے تھے۔اپنے بڑے زنبور سے کئی دفعہ بوقت ضرورت دانت بھی نکالا کرتے ۔دانت نکالنے کا طریقہ بڑا عجیب ہوتا، اگر اوپر کا دانت ہوتا تو مریض کو بنے یعنی کھیت کے اونچے کنارے پر بٹھاتے اور خود نیچے کھڑے ہوتے ۔اگر دانت نیچے کا ہوتا تو خود اوپر کھڑے ہوتے اور مریض نچلی جگہ پر ہوتا۔ اسی طرح ایک دفعہ خاکسار کی والدہ کا دانت نکالا گیا۔دانت تو محترمہ والدہ صاحبہ کا نکالا جا رہا تھا مگر بوجہ طریق روتا میں تھا۔آپ کے دو بیٹے میاں عزیز دین اور محمد حسین تھے۔عزیز دین کی شادی میاں محمد اسماعیل کی بیٹی فہمیدہ بیگم سے ہوئی ۔آپ عین جوانی میں اپنے دوسرے بچے کی پیدائش اور پھر وفات کے بعد فوت ہو گئیں ۔آپ کا ایک ہی بیٹا ضیاء احمد تھا۔ جو بعد از تقسیم گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہوئے ۔اور کچھ عرصہ قبل وفات پا گئے ہیں۔

فہمیدہ بیگم انتہائی نیک سیرت خاتون تھیں ۔اور اتنی حیادار تھیں کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خسر نے بتایا کہ میں نے آج تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔آپ اپنے خسر کا

کھانا دوپہر کو کراٹ پر لے کر جاتیں۔ کمرے کے باہر سایہ دار جگہ پر لمبا گھونگھٹ نکال کر بیٹھ جاتیں اور اپنے سسر کا انتظار کرتیں لیکن آواز یا پیغام نہ بھجواتیں۔ جب آپ کو خیال آتا یا کام سے فارغ ہوتے تو کھانا کھانے آتے۔ آپ انتہائی نیک سیرت تھیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا اور نزع کی حالت طاری ہوئی اور تمام خاندان کمرے اور صحن میں کھڑا یا بیٹھا تھا۔ تو یکدم آپ نے کہا کہ راستہ دے دو کتنے خوبصورت لوگ آ رہے ہیں اور پھر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

فہمیدہ بیگم کی وفات کے بعد میاں عزیز دین نے میاں بہادر علی صاحب کی بیٹی لال بی بی سے شادی کی۔ آپ محمود آباد سندھ میں رہائش پذیر تھے وہاں دونوں میاں بیوی کی وفات ہوئی۔

میاں روشن دین کی بیٹیوں نور بی بی اور سعیدہ بیگم کی شادی میاں فیروز دین اور میاں عبداللطیف سے ہوئی۔ ایک اور بیٹی کی میاں شیر بہادر کے بیٹے محمد زمان، اسی طرح ایک بیٹی کی باغ علی اور ایک کی میاں محمد اسماعیل اور ان کی وفات کے بعد میاں عبدالرحیم سے ہوئی۔

رقیہ بیگم صاحبہ

قاضی صاحب کی چوتھی بیٹی کا نام رقیہ بیگم تھا۔ جو راقم کی والدہ تھیں۔ آپکی شادی میاں محمد اسماعیل صاحب ابن میاں امان علی سے ہوئی۔ میاں محمد اسماعیل کے حصہ میں ایک وسیع رقبہ آیا۔ جو میلوں پر پھیلا ہوا تھا۔ آپ کو کاشت کاری کے علاوہ باغبانی کا بھی شوق تھا۔ آپ اس سلسلہ میں نت نئے تجربات کرتے رہتے۔ آپ نے علاوہ ایک جگہ کے باغ کی زمین کے کنارے پر بھی پھل دار درخت لگائے۔ مختلف پودوں کی قلمیں مختلف درختوں پر لگائیں اور مکان کے اردگرد پھل دار درخت اس طرح لگائے کہ مکان پر سایہ ہو جاتا۔ میاں محمد اسماعیل صاحب کے تعلقات علاقہ کے لوگوں سے وسیع تھے۔ تعلقات میں مسلم

غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔ تعلقات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جب آپکی وفات ہوئی تو جنازہ کی صفوں میں ہندوؤں نے نماز میں شرکت کی۔ ہمارے والد کا رویہ بھی اردگرد کے لوگوں سے ویسا ہی رہا اور محترم قاضی صاحب کی وفات کے بعد بھی علاقے کے ہندو مسلم تمام گھرانوں سے آپ کے تعلقات تھے۔ میاں اسماعیل صاحب اور رقیہ بیگم کی شادی کی تقریب بھی عجیب طرح سے ہوئی پہلے والد صاحب کی منگنی یا نکاح کسی دوسری لڑکی سے طے ہوا تھا مگر بعد میں آپ نے ضد کی کہ آپ شادی قاضی صاحب کی بیٹی رقیہ بیگم سے کریں گے۔ یہ بات آپ کے بہنوئی میاں عطاء اللہ صاحب کو ناگوار گزری۔ آپ نے کہا کہ یا تو تم شادی وہیں کرو گے وگرنہ میں تمھاری بھینس بمعہ کٹی کے تمھاری منگیتر کو دیدوں گا۔ میاں عطاء اللہ صاحب چونکہ میاں محمد اسماعیل صاحب کے بہنوئی تھے۔ آپ نے بات بڑھانے کے بجائے کہا کہ آپ بھینس لے جاویں، شادی میں یہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ بھینس لے گئے اور آپ کی شادی رقیہ بیگم سے ہوگئی۔

رقیہ بیگم عادت کی انتہائی اچھی اور نفیس خاتون تھیں۔ آپ مہمان نوازی میں یکتا تھیں۔ مہمان کسی بھی وقت آ جاتا تو آپ کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیتیں۔ خاکسار بچپن کی نادانی کی وجہ سے کئی دفعہ گھر بتائے بغیر اپنے اساتذہ کو دعوت پر بلا لیتا۔ گھر آ کر معلوم ہوتا کہ والدہ یا والد تو گھر پر موجود ہی نہیں ہیں۔ مگر آپ کو جونہی اطلاع ملتی آپ فوراً لوازمات میں مشغول ہو جاتیں اور کبھی یہ نہ کہتیں کہ یہ بغیر اطلاع دیئے آپ کو لے آیا ہے۔ یہ بات والد صاحب کی وفات کے بعد بھی جاری رہی۔ خاکسار کی والدہ کی نفاست کا اندازہ اس سے لگائیں کہ بچپن میں آپ نے کسی گائے کو انسانی فُضلہ کھاتے دیکھ لیا تھا لہٰذا ساری عمر کبھی گائے کا دودھ استعمال نہ کیا حالانکہ گھر میں کئی گائیں تھیں لیکن صرف بھینس کا دودھ ہی استعمال کیا کرتیں۔ اگر کوئی بھینس دودھ نہ دے رہی ہوتی تو ہمارے ننہیال سے دودھ دہی منگواتیں مگر گائے کا دودھ دہی استعمال نہ کرتیں۔

میاں محمد اسماعیل صاحب کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ آپکے پاس سلسلہ کی

کتب موجود ہوتیں اور دینی مسائل کا کافی علم رکھتے اور جو کوئی گھر آتا اس کی تواضع کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ بھی کرتے۔ اس میں ہمارے محترم اساتذہ بھی شامل تھے۔ یہ عادت خاکسار کو بھی بچپن میں بہت تھی۔ اس وقت چونکہ کوئی تعصب نہ تھا اس لیے ''تبلیغِ ہدایت'' بستہ میں ڈال کر لے جاتا اور اپنے اساتذہ اور دیگر ساتھیوں سے بھی ضرور بات کرتا۔ ایک دفعہ یہ معاملہ اتنا طویل ہو گیا کہ چھٹی کے بعد بھی خاکسار بحث میں مشغول رہا اور میرے ساتھی گھروں کو چلے گئے جب خاکسار گھر نہ پہنچا تو والدہ کو فکر ہوئی، لڑکوں نے بتایا کہ وہ ماسٹر صاحب سے بحث کر رہا ہے۔ اسکول ہمارے گھر سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا۔ آپ پیدل وہاں پہنچیں اور ماسٹر صاحب سے معذرت کرنے لگیں کہ نہ معلوم بچے نے آپ سے کیا کہا ہے۔ وہ زمانہ بھی بڑا پیارا تھا۔ الٹا ماسٹر صاحب معذرت کرنے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں بچوں نے پتہ نہیں کیا کہا ہے۔ اگلے دن میرے ان عزیزوں سے ماسٹر صاحب نے باز پرس کی کہ کیوں انہوں نے گھر جا کر ایسی بات کہی۔

میاں محمد اسماعیل صاحب ایک نڈر انسان تھے۔ چونکہ حکومت ہندوؤں کی تھی اس لئے ہندو مغرور تھے۔ اور شہر میں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس لئے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اکثر افسران ہندو ہوتے مگر حق بات کہنے سے آپ کبھی نہ ڈرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہندوؤں سے آپ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اور وہ لوگ ہمارے پورے خاندان کی عزت کرتے تھے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ 1947ء میں ہمارا سارا خاندان پاکستان ہجرت کر آیا تھا، مہاراجہ کا ایک رشتہ دار تھا جو غالباً اس کے ننھیال سے تھا اور پورے علاقہ کی سڑکوں اور دیگر شعبہ جات کا نگران تھا۔ اس نے ہمارے ماموں کو پیغام بھجوایا کہ آپ اپنا خاندان سرحد پر لے کر آجائیں۔ وہاں سے سرکاری ٹرکوں میں آپ کو آباد کر دیا جائے گا۔ مگر ہمارے ماموں نے انکار کر دیا۔ مگر جو لوگ واپس چلے گئے وہ آجکل اپنی جائیدادوں پر قابض ہیں اور رہتال، بڈھانوں اور چارکوٹ میں قیام پذیر ہیں۔ رہتال میں تقسیم سے قبل والی رونق نہیں آئی۔ البتہ ایک دفعہ قادیان سے ایک دوست

تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت صوبہ جموں میں چارکوٹ جماعت کا مرکز ہے۔

میاں محمد اسماعیل اور رقیہ بیگم کے ہاں دو بیٹیاں اور نو بیٹے ہوئے مگر بیٹوں میں صرف دو زندہ رہے۔ بڑی بیٹی فہمیدہ بیگم کی شادی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ان کے خالہ زاد سے ہوئی مگر عین جوانی میں ایک بچہ ضیاء احمد یادگار چھوڑ کر وفات پا گئیں۔ دوسری بیٹی حلیمہ بیگم ہیں جن کی پیدائش قریباً 1934ء میں ہوئی۔ ان کی شادی ہجرت کے بعد مکرم بابو محمد شفیع صاحب سے ہوئی بابو صاحب کا کنری سندھ میں ریلوے اسٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل تھا جو بہت اچھی حالت کا کاروبار دے رہا تھا کہ آپ نے ہوٹل چھوڑ کر مرچ کا کام شروع کر دیا مگر اس کاروبار سے آپ کے پھیپھڑے متاثر ہوئے اور کافی عرصہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد 1986ء میں وفات پا گئے۔

حلیمہ بیگم صاحبہ کے پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں جو کہ سب شادی شدہ ہیں دو بیٹے محمد سمیع اور محمد جمیل جو پہلے جرمنی میں تھے مگر آجکل انگلستان چلے گئے ہیں۔ ایک بیٹا شکیل احمد معلم وقفِ جدید ہے۔ اور نوکوٹ میں متعین ہے۔ دوسرا بیٹا خلیل احمد ہے جو کراچی میں قیام پذیر ہے۔ جبکہ باقی بیٹیاں کراچی میں رہائش رکھتی ہیں جو لجنہ کے مختلف حلقوں میں متفرق عہدوں پر خدمت کی توفیق پا رہی ہیں۔ ایک بیٹی مبارکہ بیگم ربوہ میں قیام پذیر ہے۔

میاں محمد اسماعیل اور رقیہ بیگم کے دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے شریف احمد راجوری اور دوسرا خاکسار مبارک احمد راجوری ہے۔

شریف احمد راجوری

آپ کی پیدائش 1924ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم پرائمری تک ماسٹر بشیر احمد صاحب سے چارکوٹ میں حاصل کی۔ جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ بعد ازاں 1942ء میں قادیان چلے گئے۔ اور کچھ عرصہ دارالشیوخ میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ

کے زیر سایہ رہ کر مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کی۔ قادیان میں دورانِ قیام 1944ء کے جلسہ مصلح موعود منعقدہ ہوشیار پور میں سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی معیت میں سفر کر کے شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر 1944ء میں ہی حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کی زمینوں پر بطور منشی سندھ چلے گئے۔ ناصر آباد اور محمود آباد میں بھی بطور منشی کام کیا۔ آپ خدام الاحمدیہ کی تشکیل کے ابتدائی دور میں رہتال کے قائد خدام الاحمدیہ بھی رہے۔ آپ بتاتے ہیں کہ ہم دن کی فراغت کے بعد رات کو میدان میں کرسیاں لگا کر باقاعدہ خدام الاحمدیہ کا اجلاس کیا کرتے تھے۔ 1947ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر رہتال سے آپ حفاظتِ مرکز کے لیے قادیان چلے گئے اور 20 اکتوبر 1947ء تک قادیان رہے۔ جب کشمیر میں حالات خراب ہو گئے اور گھر پر کوئی دوسرا مرد نہ تھا اس لیے آپ اجازت لے کر پاکستان آ گئے۔ یہاں پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر مہاجرین کی ایک جماعت کو لے کر سندھ میں جماعت کی زمینوں پر گئے اور وہاں سے آپ چارکوٹ پہنچے۔ جہاں والدہ ہم دونوں بہن بھائی اور بھاوج کے ساتھ عارضی طور پر قیام پذیر تھیں۔ وہاں سے آپ والدہ، اہلیہ، بہن اور بھائی (خاکسار) کو لے کر کنری سندھ آ گئے۔
جب آپ جہلم پہنچے تو کچھ عرصہ جماعتی مہمان خانہ میں قیام کیا۔ وہاں پر مولانا محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے رفیق حضرت اقدسؑ تعینات تھے اور امیرِ جہلم سید زمان شاہ صاحب تھے۔ جو ڈی سی آفس میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ایک دن مولوی صاحب نے آپ سے کہا کہ امیر صاحب کہتے ہیں کہ اگر یہ لڑکا یہاں مستقل آباد ہونا چاہے تو میں سکھوں کی دوکان اور مکان جو مقفل ہیں۔ اس کو کھلوا دیتا ہوں میرے ریٹائر ہونے میں ایک ماہ رہ گیا ہے اس عرصہ میں جتنے لوگ آئیں مجھ سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں چونکہ سندھ میں حضور کی زمینوں پر منشی کا کام کر چکا تھا اور حضور سے تعلقات تھے اس لیے جہلم سیٹل ہونے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ مجھے حضرت المصلح الموعودؓ کی صحبت اور تعلقات زیادہ عزیز تھے۔ اس لیے دنیاوی فائدہ کی محرومی کی پرواہ نہ کی۔ کنری سندھ آ کر شروع میں بڑی

مشکل سے وقت گزارا۔ اور محنت مزدوری کر کے گزر بسر کیا مگر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ خدا کے فضل و کرم سے عزت سے وقت گزارا۔ اپنی جائداد کا کلیم بھی داخل نہ کیا۔ جب ہوش آیا تو وقت گزر چکا تھا۔ شروع میں کشمیری مہاجرین کے کلیم حکومت نے وصول کئے مگر مجھے پتہ نہ لگا اس لیے کلیم داخل نہ کئے کراچی میں محمد عبداللہ خان صاحب بردار چوہدری ظفر اللہ خانصاحب کے پاس گیا جو اس وقت ڈپٹی کسٹوڈین تھے۔ انہوں نے فرمایا دو دفعہ کشمیری مہاجرین کے کلیم داخل ہوئے تم اس وقت کہاں تھے۔ اب جب کشمیریوں کے کلیم پھر کھلیں گے پھر میرے پاس آنا۔ جو کہ دوبارہ نہ کھلے اس لئے آپ اپنی جائیداد جو کہ ایک وسیع جائیداد تھی، کے کلیم کے حق سے محروم رہے۔
1949ء کی گرمیوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سندھ کی زمینوں کے دورہ پر آئے تو خاکسار حضور کو ملنے اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گیا۔ حضور نے بزرگوں کا ذکر شروع کیا خاص طور پر میاں ثناء اللہ صاحب جو والدہ صاحبہ کے چچا تھے اور حضرت المصلح الموعودؓ کے ہم جماعت بھی تھے۔ حضورؓ نے خاکسار سے استفسار فرمایا کہ تم پڑھتے کیوں نہیں ہو۔ خاکسار نے عرض کی کہ میں وطن واپس جانا چاہتا ہوں۔ بعد میں یہ واقعہ بھائی کو بتایا تو اس وقت تک حضورؓ کوئٹہ تشریف لے جا چکے تھے۔ بھائی نے حضور کو لکھا کہ مجھے مبارک احمد نے اس طرح بتایا ہے تو عرض ہے کہ کنری میں اردو میڈیم اسکول نہیں ہیں سب سندھی میڈیم اسکول ہیں۔ اور کنری سے باہر میں اسکو تعلیم نہیں دلا سکتا اس پر حضور نے شفقت فرماتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے بھائی کو تحریر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے مبارک ذہین ہے پڑھ جائے گا۔ جب میں ربوہ پہنچوں تو اسکو لے کر ربوہ آ جاویں۔ پھر بھائی نے کسی دوسرے خط میں جب حضور لاہور تشریف لے گئے خط لکھا، تو حضور نے پھر اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا کہ فلاں تاریخ تک میں ربوہ شفٹ ہو جاؤں گا تم بھائی کو لے کر ربوہ آ جانا اسکی پڑھائی کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں تو ربوہ نہ جا سکا مگر دوسرے طلباء کے ساتھ تمہیں بھجوا دیا جہاں پر تمہارا بندوبست حضور نے کر دیا۔ خاکسار

جس دن ربوہ پہنچا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مسجد مبارک کے سنگ بنیاد کے لیے ربوہ تشریف لائے تھے۔ خاکسار کو اس مبارک تقریب میں شمولیت کی توفیق ملی۔ بھائی کے تعلقات حضور سے ذاتی نوعیت کے تھے۔ ربوہ میں آپ حضور کے مہمان ہوتے اور آپ کا قیام ربوہ میں کئی دن کا ہوتا۔ آپ حضرت چھوٹی آپا صاحبہ کے ساتھ بھی ایک مخلصانہ تعلق رکھتے۔ آپ ایک لمبا عرصہ جاتی ضلع ٹھٹھ میں میڈیکل پریکٹس کرتے رہے۔ غلام محمد بیراج میں آپ نے زمین الاٹ کرائی مگر اردگرد فوجی فارم کی وجہ سے آپ کی زمین کافی اونچائی پر ہوگئی۔ جس کی وجہ سے آپ نے زمین چھوڑ دی اور صرف میڈیکل پریکٹس کرتے رہے۔ مقامی آبادی سے آپ کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ پھر آپ اس علاقے کو چھوڑ کر دوبارہ کنری سندھ چلے آئے اور وہاں پریکٹس شروع کر دی تا آنکہ بچوں کے برسرِ روزگار ہونے اور دِل کی تکلیف کی وجہ سے کنری سندھ کو خیر باد کہہ دیا۔

آپ کی پہلی شادی غالباً 1946ء میں دیدار بخش صاحب کی پوتی جنت بی بی سے ہوئی آپ میاں مصاحب علی کی بیٹی تھیں۔ آپ نے اپنی اس بیوی کو تعلیم دی اور اس کو خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ کئی دفعہ آپ سختی کرتے تو کئی ایک لطیفے مشہور ہو جایا کرتے۔ ہماری یہ بھابھی 1949ء میں وفات پا گئیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک لمبا عرصہ تجرد کی زندگی گزاری کیونکہ بعض گھریلو مجبوریوں کی بناء پر آپ کی شادی کا معاملہ التواء کا شکار رہا پھر راقم کے کالج کے تعلیمی اخراجات بھی آڑے آئے۔ آخر 1972ء میں آپ نے کراچی میں محترمہ حفیظہ بیگم بنت مکرم محمد ایوب صاحب مرحوم سے شادی کی۔

خاکسار کے بھائی شریف احمد صاحب نے 1949ء میں حضرت المصلح الموعودؓ کو خاکسار کی پڑھائی کے انتظام کے لئے خط لکھا تو حضورؓ نے اپنے دستِ مبارک سے خط تحریر فرمایا کہ تم رمضان کے بعد کوئٹہ آجاؤ اور مجھے اپنے حالات سے آگاہ کرو عزیزم کی پڑھائی کا انتظام ہو جائے گا۔ لہٰذا بھائی جان رمضان کے بعد حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب بھائی جان کوئٹہ اسٹیشن پر اترے تو وہاں سخت گرمی تھی کیونکہ وہاں ابھی

برسات نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں ”کہ عصر کے بعد میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ملاقات کے دوران یکدم تیز موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ جس پر حضورؓ نے فرمایا تم تو برسات بھی ساتھ لے کر آئے ہو۔ تو خاکسار نے عرض کیا کہ حضور سندھ میں برساتیں ہو رہی تھیں میرے ساتھ ہی آ گئیں۔ حضورؓ بہت خوش ہوئے کہ تمہارے آنے پر برسات کوئٹہ میں بھی ہوگئی“۔ آپ ایک ہفتہ حضور کی خدمت میں رہے پھر والدہ صاحبہ کا خط آیا کہ مجھے بخار آ رہا ہے۔ حضورؓ نے فرمایا تمہاری والدہ بیمار ہیں واپس چلے جاؤ۔ لہٰذا ایک ہفتہ کے بعد واپس آگئے۔

آپ کی اہلیہ جنت بی بی 13 جولائی 1949ء کو کنری سندھ میں وفات پا گئی تھیں۔ آپ نے نوجوانی کی عمر کی ناسمجھی کی وجہ سے حضور کو اطلاع نہ دی۔ جب دوبارہ کوئٹہ گئے تو اور حضور کو بتایا کہ میری بیوی فوت ہوگئی ہیں۔ تو حضورؓ نے فرمایا مجھے خط کیوں نہیں لکھا میں تمہاری بیوی کا جنازہ پڑھاتا۔ آپ نے اپنی عمر کا لمبا عرصہ کنری سندھ میں گزارا۔ اور آپ کا شمار جماعت احمدیہ کنری کے ابتدائی افراد میں ہوتا ہے۔ آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ دو بیٹے مصباح الدین مبارک محمود اور برہان الدین احمد محمود بطور مربی سلسلہ خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ جبکہ بڑا بیٹا فاتح الدین بشیر محمود ایک حکومتی محکمہ میں ایڈیشنل ڈائریکٹر ہے۔ آپکی بیٹی عزیزہ عطیۃ المنان کی شادی آپ کے بھانجے خلیل احمد کے ساتھ ہوئی۔ جو کراچی میں مقیم ہیں۔

مبارک احمد راجوری

خاکسار کی پیدائش 1936ء یا 1934ء کی ہے۔ ملکی تقسیم کے وقت چونکہ ہمارے علاقہ میں آزاد فوجیں لڑ رہی تھیں۔ اس لیے ہمیں افراتفری میں اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ نوشہرہ چھاونی پر مجاہدین نے ہندوستانی اور مہاراجہ کی فوجوں کو روکا ہوا تھا۔ مگر جب ہندوستانی تازہ دم دستے نوشہرہ پہنچے تو مجاہدین تیزی سے پسپا ہونے شروع ہوگئے تو

ہمارا خاندان رہتال چھوڑ کر پھر چارکوٹ منتقل ہو گیا۔ ہندوستان نے راجوری پر قبضہ کر لیا اور کافی عرصہ ہندوستانی فوج کو مجاہدین نے روکے رکھا۔ مگر ہندوستانیوں کی عددی قوت اور خاص طور پر قبائلیوں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے راجوری سے بھی مجاہدین کو بھاگنا پڑا اور ہندوستانی فوج دھنامنڈی سے کراس کرتی ہوئی پونچھ تک ریاست پر قابض ہو گئی۔ اس عرصہ میں مجاہد اول جیسے لوگ اور چندہ خور کراچی جیسے علاقوں میں آکر چندہ جمع کرنے لگے۔ اور وہ لوگ جو جنگِ آزادی کے کسی نمایاں مقام پر نہ تھے وہ مجاہد اور گفتار کے غازی بن گئے۔ اور جن لوگوں نے آزاد کشمیر کی سیاست اور جنگ میں حقیقتاً حصہ لیا وہ پسِ پردہ چلے گئے۔ آزاد کشمیر کی حکومت کا تمام نقشہ جو دھال بلڈنگ میں بنا ترانہ اور جھنڈا وہاں بنا۔ سردار ابراہیم کو سرینگر سے اسمگل کر کے آزاد کشمیر پہنچایا گیا۔ اور آزاد کشمیر کی آزادی کی پہلی آواز غلام نبی گلکار کی تھی۔ حکومتِ پاکستان خود اس وقت بے حال تھی اس کا کمانڈر انچیف قائداعظم کے آرڈر پر عمل نہ کرتا۔ یہ صرف رضا کار ہی تھے جو کافروں کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ راجوری کے علاقے میں مختلف گروہ تھے جو برسرپیکار تھے۔ اور ایک گروہ سیاست میں لگا ہوا تھا خاص کر محمد حسین ذیلدار اپنے کھونٹے پکے کرنے میں لگا ہوا تھا۔ مگر جب رضا کاروں کو شکست ہوئی تو وہ لنگڑا اس طرح بھاگا کہ سب بھاگنے والوں پر سبقت لے گیا۔

یہ تو محض ایک جملہ معترضہ تھا مگر بتا رہا ہے کہ ہمیں چونکہ علاقہ افراتفری میں چھوڑنا پڑا اس لیے تعلیمی ریکارڈ بنوانے کا سوال ہی نہ تھا۔ چارکوٹ کے تعلیم الاسلام سکول سے دو سرٹیفکیٹ بھائی نے بنوائے۔ جو ایک 14 اکتوبر 1934ء اور دوسرا 1936ء کا ہے۔ پارٹیشن کی وجہ سے خاکسار کے تین تعلیمی سال ضائع ہو گئے۔ ایک تو 1947ء سے 1949ء کا وقفہ دوسرا خاکسار نے 1947ء میں پانچویں جماعت پاس کر لی تھی مگر پھر خاکسار کو پانچویں میں داخل کر دیا گیا۔ اس طرح میٹرک خاکسار نے بیس سال کی عمر میں کیا۔

میرا بچپن بھی عام دیہاتی بچوں کی طرح گزرا۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے

خاکسار بچپن ہی سے ذہین تھا۔ خاکسار کی یادداشت کافی اچھی تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت المصلح الموعودؓ نے دیکھتے ہی فرمایا ''مبارک ذہین ہے پڑھ جائے گا''۔ اور دوسرے 60 سال گزرنے کے باوجود جو باتیں تحریر کر رہا ہوں وہ کافی حد تک صحیح ہیں۔ باوجود اس کے کہ خاکسار اپنی برادری سے دور رہا مگر آج بھی جو باتیں لکھ رہا ہوں وہ ایک فلم کی طرح میرے حافظہ سے خود بخود نکل رہی ہیں۔ اپنی پیدائش کے لحاظ سے خاکسار کا چھٹا نمبر ہے۔ میرا ایک بڑا بھائی جو مجھ سے اوپر تیسرے نمبر پر تھا کم عمری میں ایک واقعہ کے بعد فوت ہو گیا۔ والدہ بتاتی تھیں کہ ہمارا بھائی جس کا نام خورشید احمد تھا چھوٹا بچہ تھا کہ ہمارے والد صاحب نے ایک چڑے کو پکڑا اور ہاتھ میں پکڑ کر اس کو ہمارے بھائی کے سامنے بار بار کرتے بچہ خوش ہو رہا تھا کہ یکدم اس چڑے نے اچک کر بچہ کی ناک اس زور سے پکڑی کہ بچہ کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اس چڑے کو بھائی کی ناک سے الگ کیا گیا والد صاحب نے غصہ میں چڑے کے بال اکھاڑ دیئے۔ وہ چڑا ساری سردیاں ہماری منڈیر پر بیٹھا رہا اس عرصہ میں اس کے پر نکل آئے اور سردیاں ختم ہوتے ہی اُڑ گیا مگر اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد وہ بچہ فوت ہو گیا۔

خاکسار بچپن ہی سے صوفیانہ طبیعت کا مالک تھا خدا تعالیٰ کے خیال میں مگن رہتا۔ ہمارے ایک عزیز میاں نذیر صاحب بعد میں کنری آئے تو خاکسار مسجد میں ہوتا تو وہ ہماری والدہ سے کہتے یہ مسیتڑ کہاں سے ہمارے گھر آ گیا ہے۔ اسکول سے گھر آکر خاکسار کو جانوروں کی رکھوالی کے لیے بھیجا جاتا تو خاکسار جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ کر کسی جھاڑی کے پیچھے نفل ادا کرتا رہتا۔ والد صاحب جب تہجد کے لیے اُٹھتے تو ساتھ کھڑا کر لیتے یا خاکسار کھڑا ہو جاتا۔ والد صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے دعائیہ اشعار اونچی آواز میں پڑھتے تو راقم کے کانوں میں خدا تعالیٰ کی حمد کے الفاظ پہنچتے رہتے۔ 1945ء کے آخر اور 1946ء کے شروع میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو خاکسار باوجودیکہ بچہ تھا والد صاحب کی یاد میں شعر کہنے شروع کر دیئے۔ ایک دفعہ ایک عزیز نے خاکسار کو کسی

بات پر تھپڑ مار دیا تو خاکسار نے ایک نظم جسکا ایک مصرع یہ تھا

؎ باپ میرا اج زندہ ہوندا، جسے کون جو مارے

لکھی جب والد صاحب کی وفات ہوئی تو خاکسار گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں اپنے غم کو مختلف صوفیائے کرام کے کلام کو اونچی آواز میں سُر کے ساتھ پڑھ کر ہلکا کرتا۔ کھیت میں بیٹھ کر پڑھتا اور اس بات کی ہرگز پرواہ نہ کرتا کہ کوئی کیا کہے گا۔ الغرض بچپن ہی سے راقم نے خدا تعالیٰ کو اپنا منبع بنالیا۔ اس کے بعد رات کو جب میں سوتا تو کئی دفعہ خاکسار کو اندھیرے میں گھر کی دیوار پر ایک روشنی نظر آئی۔ جدھر میری نظر جاتی وہ روشنی اُدھر چلی جاتی۔ حالانکہ اُس وقت اس علاقہ میں روشنی کا کوئی تصور نہ تھا۔ یہ روشنی والد صاحب کی زندگی کے آخری دنوں سے شروع ہوئی اور بعد تک جاری رہی واللہ اعلم۔

والد صاحب کو نکسیر کی طرح کا ایک عارضہ ہو گیا تھا۔ چونکہ والد صاحب کو غصہ بہت آتا تھا اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی تھی جس کا رخ باہر کی طرف تھا۔ جب خون جاری ہونا شروع ہوتا تو آپ چارپائی پر لیٹ جاتے اور ایک ڈبے میں مٹی ڈال کر سر ایک طرف کر لیتے۔ پہلے وہ ڈبہ بھرتا پھر صحن سے ہوتا ہوا دوسری طرف نکل جاتا۔ جب خون بڑی مقدار میں خارج ہو جاتا تو آہستہ آہستہ رک جاتا۔ تاآنکہ پھر دوبارہ یہ دورہ پڑتا تو یہی کیفیت ہو جاتی۔ ایک دفعہ شام کو آپ کی ناک سے خون جاری ہوا تو آپ باغ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتے ناک میں روئی کا پھاہا ڈالا تو خون منہ سے شروع ہو گیا۔ خاکسار ایک چھوٹا بچہ بے بسی سے اپنے پیارے باپ کے ساتھ ساتھ باغ میں چکر لگاتا رہا نہ معلوم کب خون بند ہوا اور کس طرح آپ کو آرام آیا اس کا اندازہ کوئی صاحبِ دل ہی لگا سکتا ہے۔ یہ تکلیف آپکو کافی عرصہ رہی کوئی علاج نہیں چھوڑا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آپ اس ماحول کے لحاظ سے ایک طاقتور جسم کے مالک تھے۔ مگر آہستہ آہستہ کمزوری غالب آتی گئی۔ آخر راجوری کے سرکاری ہسپتال

میں ایک ڈوگرہ ڈاکٹر آیا آپ نے اس کو دکھایا اس نے آپ سے کہا کہ میرا مشورہ ہے کہ آپ خون کو نہ روکیں مگر جب والد صاحب نے اصرار کیا تو ڈاکٹر نے کہا خون تو میں بند کر دوں گا مگر چھ ماہ سے زیادہ آپ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ آخر اس کے علاج کے بعد خون بہنا بند ہو گیا۔ آپ ہر ایک سے ملتے اور کہتے کہ خدا نے مجھے دوسری زندگی دی ہے۔ مگر جیسا کہ ڈاکٹر نے کہا تھا آپ کی وفات تقریباً چھ ماہ کے قریب ہو گئی۔ جب ہمارے والد صاحب کی وفات ہوئی تو ہمارے بڑے بھائی شریف احمد جام نگر کاٹھیاواڑ میں تھے۔ آپ کو والد صاحب کی وفات کی اطلاع دی گئی مگر آپ بوجوہ نہ آسکے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد گھر میں والدہ، بہن اور خاکسار کے علاوہ ایک نوکر تھا۔ وہ نوکر اس حالت میں نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ اُدھر زمین میں بوائی کا وقت آ گیا ہر آدمی اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ آخر والدہ تہجد کے وقت اٹھتیں مجھے بیل ہل میں جوت کر دے کے خود جا کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتیں۔ اور بڑی بہن کو ساتھ چھوڑ جاتیں جو میرے ساتھ چلتی رہتی کہ کہیں میں ڈر نہ جاؤں۔ تہجد سے صبح سکول جانے تک خاکسار ہل چلاتا۔ پھر والدہ وہاں ہی آکر ناشتہ کروا دیتیں اور ناشتہ کر کے راقم سکول چلا جاتا اور سکول سے آکر شام تک یہی کام کرتا رہتا۔ اس عرصہ میں خاکسار نے کئی بیل زخمی بھی کیے کیونکہ ہل کو خاکسار صحیح طرح سے سنبھال نہ سکتا۔ ہمارے چچا حسن محمد چارکوٹ میں رہتے دو دن وہ اپنا کام کرتے اور رات کو آکر دو دن ہمارا کام کرتے۔ تاآنکہ انہوں نے دوسرے نوکر کا بندوبست کیا اور یہ مشکل ختم ہوئی۔ ہمارا ایک اور مسئلہ آن کھڑا ہوا کیونکہ ہمارے ہاں گاؤں کا تصور پنجاب والا نہ تھا جہاں کسی کی زمین ہوتی وہاں ہی اس کا مکان ہوتا۔ گھر میں کوئی دوسرا بڑا نہ تھا ایسے میں ہم لوگ اکیلے تھے۔ نوکر خود ایک نوعمر بچہ ہوتا۔ اس سلسلہ میں ہماری نانی نے ہماری بہت مدد کی۔ آپ رات کو ہمارے ہاں اپنی کسی پوتی کے ساتھ سوتیں پھر بعد میں ہمارے بھائی آگئے اور ان کی شادی ہو گئی تو ہمارا یہ مسئلہ حل ہوا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے 1949ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے راقم

کو تعلیمی وظیفہ دے کر چنیوٹ میں اسکول میں داخل کرادیا اور رہائش بورڈنگ ہاؤس میں کرادی۔ آخر 1955ء میں خاکسار نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس عرصہ میں حضور کی ذرہ نوازی کی وجہ سے ہر قسم کی سہولت اور آرام سے وقت گزارا۔ جب تک خاکسار چنیوٹ بورڈنگ ہاؤس میں داخل نہ ہوا، قصرِ خلافت میں حضور کے رہائشی حصہ جو دو منزلہ تھا، میں رہا۔ اور نیچے اسی پلنگ پر سوتا جس پر حضور دن کے وقت آرام فرماتے اور خاکسار کا کھانا وہاں ہی ہوتا جہاں حضور کا کھانا ہوتا۔ حضور ان دنوں اوپر کی منزل میں رات کو سوتے تھے۔ جب تک بورڈنگ ہاؤس میں میری رہائش کا بندوبست نہ ہوا یہی طریقہ میرے لیے رکھا گیا۔ پھر جب میں بورڈنگ ہاؤس چلا گیا تو دوبارہ قصر خلافت میں رہائش کے لیے نہ آیا۔ زہے نصیب اس عرصہ میں ایک دفعہ حضرت اماں جان سے خاکسار کا سامنا اُس گلی میں ہوا، جو کچے قصرِ خلافت کے مکانوں کے درمیان تھی۔ آپ اس وقت اپنی بہوؤں کے گھروں کے دورہ پر تھیں، وقت صبح کے دس گیارہ کے قریب ہوگا۔ آپ مستورات میں گھری کھڑی تھیں کہ خاکسار نے گزرتے ہوئے سلام کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا خاکسار تیرہ چودہ سال کا تھا اور قد کاٹھ بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ تم کون ہو اور ساتھ ہی فرمایا محمود کو کیا ہوگیا ہے جوان لڑکے گھر میں پھرتے ہیں۔ خاکسار نے تو کچھ عرض نہیں کیا مگر صاحبزادی امتہ الجمیل صاحبہ نے فوراً کہا اماں جان یہ مبارک احمد ہے اور سندھ سے پڑھنے آیا ہے اور یہ بورڈنگ ہاؤس چلا جائے گا۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ اس کے بعد چونکہ خاکسار چنیوٹ چلا گیا آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہوسکی۔ حضور سے جب ملاقات کے لیے آتا تو باقی بزرگ خواتین سے ملاقات ہوجاتی۔ سب سے پہلی عید جو گھر سے باہر ہوئی وہ میں نے حضرت ام ناصرؓ کے ہاں کی۔ میں ظہر کی نماز کے بعد حضور کے ساتھ اس گلی سے گزر رہا تھا کہ حضور نے پوچھا تم نے کھانا کھالیا ہے۔ خاکسار چپ ہوگیا۔ آپ نے مجھے گردن سے پکڑا اور حضرت اِم ناصرؓ کے ہاں لے گئے۔ آپ صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے انہیں مخاطب کیا کہ یہ مبارک احمد ہے جس کا ذکر تم سے میں

نے کوئٹہ میں کیا تھا۔ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ حضورؓ مجھے آپ کے سپرد کر کے چلے گئے۔ آپ نے مجھے کھانا کھلایا اور ساتھ بیٹھی مختلف باتیں کرتی رہیں۔ جب آپ کو علم ہوا کہ میرے والد صاحب وفات پا چکے ہیں تو آپ نے مجھے اس طرح دلاسہ دینا شروع کر دیا گویا والد صاحب ابھی ابھی فوت ہوئے ہوں۔ اس عرصہ میں صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کا ایک چھوٹا بچہ آگیا اور پوچھنا شروع کردیا امی جان یہ کون ہے۔ آپ اسے ساتھ ساتھ میرے متعلق جو علم تھا بتاتی جاتیں۔ اس عرصہ میں آپ حضور کے کمرے کی طرف گئیں اور وہاں سے تبرکاً ایک سیب مجھے لا کر دیا۔ میں چونکہ بچپن میں بھی خاموش فطرت تھا اس لیے زیادہ کسی سے نہ ملتا بھوکا رہ لیتا مگر خود کھانا نہ مانگتا۔ حضورؓ اس سلسلے میں بہت زیادہ حساس تھے۔ اور مجھے فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے بھائی سے مختلف ہو۔ مجھے یاد ہے کہ کسی عید پر میں ایک دن عید سے قبل ملنے گیا تو آپ نے فرمایا کل عید کی وجہ سے رش ہوگا شاید تم سے ملاقات نہ ہوسکے تو یہ عیدی لے لو۔ میں نے بچپن کی نادانی اور شرم کی وجہ سے عیدی نہ لی تو آپ نے جبراً اس کو میری جیب میں ڈال دیا۔ رقم شاید پانچ یا سات روپے تھی۔ خاکسار جمعہ کے دن چنیوٹ سے جمعہ کی نماز کے لیے بعض لڑکوں یا کسی استاد کے ساتھ آتا تو کچی مسجد جو اس وقت کچے قصرِ خلافت کے پاس تھی۔ نماز کے بعد حضور کے ساتھ قصرِ خلافت آجاتا اور حضورؓ کے ساتھ ہی سنتیں ادا کرتا۔ ایک دفعہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے آپ نے سنتوں سے قبل خاکسار کو پوچھا قبلہ کس طرف ہے۔ خاکسار نے اندازاً ایک طرف اشارہ کیا۔ آپ نے نماز کی نیت کر کے ادھر ہی نماز شروع کر دی اور خاکسار بھی ساتھ ہی نماز پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں حضرت مہر آپا کسی کام سے کمرے میں آئیں تو دیکھا کہ قبلہ کی سمت درست نہیں۔ آپ نے فوراً ایک تولیہ کو قبلہ کی صحیح سمت میں بچھا دیا۔ حضور نے اور خاکسار نے قبلہ کی سمت نماز میں ہی درست کر لی۔ خاکسار کا موقعہِ شرفِ ملاقات جمعہ سے قبل آتا اور ڈیوڑھی میں باڈی گارڈ کے پاس بیٹھ جاتا۔ جب حضورؓ اندر سے تشریف لاتے تو حضور سے ملتا اور اگر نماز کے بعد وقت ہوتا تو ساتھ اندر چلا جاتا۔ ایک دفعہ خاکسار اندر

ساتھ گیا اور سنتیں ادا کر رہا تھا کہ چنیوٹ جانے والی گاڑی کی وسل سنائی دی تو راقم جلدی سے بھاگ گیا۔ اگلے جمعہ کو ملاقات پر حضورؓ نے فرمایا تم پچھلے جمعہ کو بغیر اطلاع دیئے کیوں چلے گئے۔ عرض کیا کہ خاکسار کے پاس گاڑی کا کرایہ تھا اگر نہ جاتا تو پیدل چنیوٹ جانا پڑتا۔ آپ نے کچھ رقم عنایت فرمائی کہ آئندہ بغیر اطلاع مت جانا۔ بغیر اطلاع پر ایک واقعہ یاد آیا کہ جب خاکسار پہلی دفعہ ربوہ آیا تو مسجد مبارک کی بنیاد کے بعد حضورؓ قصرِ خلافت کا معائنہ فرمارہے تھے اور اگلے دن آپ نے لاہور واپس تشریف لے جانا تھا۔

خاکسار قصرِ خلافت گیا تو ڈیوڑھی پر اس وقت عورتوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ راقم اندر جانے لگا توانہوں نے روک لیا میں نے دیکھا حضور اوپر کی منزل پر معائنہ فرمارہے ہیں۔ خاکسار ان بڑی بوڑھیوں کی ہائے وائے کو چھوڑ کر تیزی سے اوپر چلا گیا۔ حضورؓ، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور حضرت مہر آپا کے ساتھ کھڑے قصرِ خلافت کا معائنہ کر رہے تھے۔

صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب چونکہ خاکسار کونہیں جانتے تھے۔ وہ فوراً بھاگے آئے مگر اس عرصہ میں حضور کی نظر خاکسار پر پڑ گئی اور پوچھا مبارک تم کب آئے۔ خاکسار نے عرض کیا حضور آج ہی آیا ہوں اور بھائی کا عریضہ آپ کو دیا۔ آپ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ خاکسار اپنے جن دوستوں کے ساتھ گیا تھا ان کے پاس واپس آ گیا۔ رات کو ان کے ساتھ رہا اور اگلے دن عصر کی نماز کے وقت خاکسار مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوا۔ ہر نماز کے بعد دوست حضور سے مصافحہ فرماتے تھے۔ خاکسار آخر میں کھڑا ہو گیا جب حضورؓ خاکسار کے پاس آئے تو پہلا سوال یہ کیا کہ کل تم خط دے کر کہاں غائب ہو گئے۔ میں تو سمجھا تم ساتھ ساتھ آ رہے ہو۔ کھانے پر بھی تمہارا انتظار کیا۔ اردگرد کے تمام دوستوں نے خاکسار کو ملامت کی کہ تم نے حضور کو انتظار کی تکلیف دی۔ پھر خاکسار ساتھ ہی اندر چلا گیا۔

خاکسار کے ساتھ حضرت مہر آپا کا سلوک ہمیشہ مشفقانہ رہا۔ میں اگر آنے میں دیر کرتا تو انتظار فرماتیں اور پھر کسی ٹرنک وغیرہ پر کھانا لگا کر دیتیں اور فرماتیں جب اندر آؤ تو دروازہ کو اندر سے بند کر دینا۔ وہ دن غالباً گرمیوں کے تھے۔ آپ اوپر کے کمرے میں

سوتے اور خاکسار نیچے حضور کے پلنگ پر سوتا۔ ایک دفعہ حضور نیچے تشریف لائے تو بعض نجی قسم کی قیمتی اشیاء کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کا خیال رکھنا۔ مہر آپا نے کہا حضور وہ تو میں پہلے ہی اوپر لے جا چکی ہوں۔

چونکہ عاجز اس کمرے کے نیچے سوتا جہاں حضور سوتے اور صبح کی اذان کے بعد ندا دینے والا آتا اور متواتر السلام علیکم کہتا۔ خاکسار کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ حضور سے کہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اب خاکسار سیڑھیوں سے اوپر جا کر اسی طرح دو تین دفعہ السلام علیکم عرض کرتا۔ اندر سے حضور فرماتے کہ کیا بات ہے تو خاکسار ندا دینے والے کی بات دہرا دیتا۔ اگر آپ نے نماز کے لیے آنا ہوتا تو اچھا کہہ دیتے۔ ورنہ فرما دیتے کہ نماز پڑھ لی جائے۔ یہ طریق میرے چنیوٹ جانے کے وقت تک تھا۔

1952ء میں امتحانات کے بعد کی چھٹیوں میں بھائی کا خط آیا کہ والدہ سخت بیمار ہیں تم حضور کی خدمت میں دُعا کے لیے کہو اور کرایہ لے کر فوراً آ جاؤ۔ خاکسار اپنے ایک ہم جماعت کو ساتھ لے کر چنیوٹ سے ربوہ گیا اور بھائی کا خط حضورؓ کو بھجوایا۔ حضورؓ نے اس پر محترم عبدالرحمٰن انور صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) کو لکھا کہ کرایہ کا بندوبست کر دیا جاوے۔ حضورؓ کا ارشاد لے کر خاکسار محترم انور صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر اس وقت پرائیوٹ سکریڑی صاحب کا خزانچی مکرم داؤد احمد چلے گئے تھے۔ محترم انور صاحب نے معذرت کر دی کہ اب کل ہی بندوبست ہوگا۔ میں آپ کی والدہ کے لیے دُعا کروں گا۔ خاکسار تو اس وقت غمزدہ تھا۔ انور صاحب کے الفاظ چھوٹی سی پرچی پر لکھ کر حضور کو بجھوادیئے۔ میں تو محافظوں کے پاس ڈیوڑھی میں تھا۔ میرا کلاس فیلو حمید احمد سیٹھی پرائیوٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر میں تھا۔ اس نے بتایا کہ حضور اس دروازے سے جو قصرِ خلافت سے پرائیوٹ سکریڑی کے دفتر میں کھلتا تھا۔ تمہاری وہ پرچی پکڑے ہوئے تشریف لائے اور محترم عبدالرحمٰن انور صاحب کو سرزنش کی اور فرمایا کہ آپ کو میں نے کرایہ کے لیے کہا تھا نہ

کہ دُعا کے لیے، جیسے بھی ہو مبارک کو فوراً کرایہ کا بندوبست کر دیا جاوے۔ محترم انور صاحب اخلاص اور سادگی سے میرے کلاس فیلو سے کہنے لگے۔ مبارک نے بھی عجب بات کر دی میں نے تو یہی کہا تھا کہ میں بھی آپ کی والدہ کے لیے دُعا کروں گا۔ میری خوش قسمتی کہ داؤد احمد صاحب کو کوئی کام یاد آ گیا اور واپس آ گئے اس طرح مجھے کرایہ کے پیسے دینے کا بندوبست ہوا۔ مگر افسوس کہ میری پیاری والدہ میرے پہنچنے سے قبل ہی وفات پا گئیں اور آپ کے دیدار سے محروم رہا۔ اسی دوران ایک اور اندوہناک واقعہ حضرت اماں جانؓ کی وفات کی صورت میں ہو۔ جسکی وجہ سے ساری جماعت کو تکلیف پہنچی۔

خاکسار کا حضرت المصلح الموعودؓ سے ملنے کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ میں باڈی گارڈ کے پاس بیٹھ جاتا اور جب حضور تشریف لاتے تو ملاقات کرتا اور اگر کوئی کام ہوتا تو بتا دیتا۔ ایک دفعہ میں مسجد مبارک کے پاس والے قصرِ خلافت کے باہر محافظوں کے پاس حسبِ سابق بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے۔ کسی نے بتایا کہ یہ مبارک احمد ہے حضورؓ اس کو تعلیم دلا رہے ہیں اور چنیوٹ بورڈنگ ہاؤس میں رہتا ہے اور اکثر جمعہ کو ملنے آتا ہے اسی لیے آج بھی ملنے آیا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے دل میں کیا آیا، وہ نوجوان آدمی تھے کہنے لگے اگر آج میں اس کی بات نہ کرنے دوں تو؟ میں تو ایک بچہ تھا لہٰذا خاموش رہا اور محافظوں نے بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جب حضورؓ اوپر سے سیڑھیوں سے نیچے اترے تو وہ صاحب جلدی سے اسطرح کھڑے ہو گئے کہ میں سب سے پیچھے چلا گیا۔ حضورؓ دو تین سیڑھیاں اوپر ہی رک گئے اور ان صاحب سے بات کرنے لگے۔ مگر موصوف تو بات کو اس طرح طول دے رہے تھے گویا آپ مسجد تک حضورؓ سے بات کرتے جانا چاہتے ہیں۔ حضورؓ نے ان کی بات کا جواب دیا مگر جب انہوں نے بات پر اصرار کیا تو حضورؓ نے ان کی بات روک دی۔ آخر انہیں بات ختم کرنا پڑی مگر کھڑے اسی جگہ رہے۔ آخر حضورؓ نے ان کے کندھے کے اوپر سے خاکسار کو مخاطب کیا کہ مبارک کوئی کام ہے؟ اب ان صاحب کو آگے سے ہٹنا پڑا۔ خاکسار

نے اپنا مدعا بیان کیا۔ حضورؓ خاکسار کو اس معاملہ کے بارہ میں بتاتے ہوئے محراب تک تشریف لے آئے اور وہ صاحب سب سے آخر میں مسجد میں داخل ہوئے۔ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی یہ شفقتیں مجھ گنہگار حقیر اور میری آنے والی نسلوں کے لئے انمول اثاثہ ہیں۔

1953ء کے فسادات کا غالباً جماعت کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے تعلیم الاسلام ہائی سکول فوری طور پر بورڈنگ ہاؤس کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ربوہ منتقل کر دیا گیا۔ طلباء کو عارضی طور پر کچے قصرِ خلافت میں ٹھہرایا گیا۔ خاکسار کو حضرت اماں جانؓ کا کمرہ الاٹ ہوا۔ خاکسار کے ساتھ دیگر لڑکے جو اس کمرے میں ٹھہرے ان میں عبدالحمید عرف میر خان، حمید احمد سیٹھی اور منصور احمد وغیرہ تھے۔ خاکسار اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ جب اسکول کے پاس بورڈنگ ہاؤس بن گیا تو ہم لوگ اسی نامکمل حالت میں ہی وہاں چلے گئے۔ کچھ عرصہ مسجد مبارک والے مہمان خانہ میں بورڈنگ ہاؤس رہا۔

خاکسار کو تہجد کی عادت بچپن سے ہی تھی اور اس عادت کو پختہ کرنے میں ہمارے محترم استاد چوہدری اللہ بخش صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔ جب خاکسار چنیوٹ بورڈنگ ہاؤس گیا تو آپ چھوٹے بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ آپ باقاعدہ تہجد کے لیے اٹھتے۔ خاکسار کی درخواست پر آپ مجھے بھی اٹھا دیتے۔ مجھے یاد نہیں کہ آپ کو کبھی دوسری آواز دینی پڑی ہو۔ چنیوٹ میں تین بورڈنگ ہاؤس تھے۔ ایک بڑا بورڈنگ ہاؤس، جس کے نگران چوہدری عبدالرحمن صاحب مدینہ ریاضی والے تھے۔ بعد میں مکرم ابراہیم ناصر صاحب بھی اس کے نگران بنے۔ ایک منصف والی بلڈنگ تھی وہاں کے نگران حضرت صوفی غلام محمد صاحب، مکرم مبارک مصلح الدین صاحب کے والد ہوا کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ ایک چھوٹا بورڈنگ ہاؤس ہوا کرتا تھا۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جن اساتذہ سے خاکسار کو واسطہ پڑا ان میں پہلے ماسٹر عبدالقدیر صاحب تھے۔ ہیڈ ماسٹر محترم سید محمود اللہ شاہ صاحب تھے۔ سیکنڈ ہیڈ ماسٹر صوفی محمد ابراہیم صاحب تھے جو بعد میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے تھے۔ ان کی ہیڈ ماسٹری کے

دوران کا ایک اہم واقعہ حضرت المصلح الموعودؓ پر قاتلانہ حملہ تھا۔ ایک دن آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے مجھے پیغام ملا ہے کہ دو انتہائی قابلِ بھروسہ لڑکے بھجوائے جائیں۔ مجھے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں ہے لہٰذا تم فوراً پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر چلے جاؤ۔ خاکسار حاضر ہوا تو مجھے حکم ہوا کہ حضرت میاں طاہر احمد صاحب کو رپورٹ کروں۔ انہوں نے ایک دوسرے صاحب جن کا نام غالباً عبدالمجید تھا، کے سپرد کیا۔ آپ کی نگرانی میں جو کام تفویض ہوا۔ آخر کوئی دس دن کے بعد خاکسار سے کہا گیا کہ آپ کا وہ کام ہو گیا ہے۔ آپ واپس اسکول ہیڈ ماسٹر صاحب کو رپورٹ کریں۔ جانے سے قبل دس بجے کی حضور کی ملاقات میں جا کر حضور سے ملاقات کر لیں۔ خاکسار حاضر ہوا تو آپ زخمی حالت میں لیٹے ہوئے تھے یا بیٹھے یاد نہیں۔ تمام دوست ایک قطار میں السلامُ علیکم کہتے ہوئے گزرتے جا رہے تھے۔ خاکسار بھی سلام کر کے گزر گیا اور جا کر محترم صوفی محمد ابراہیم صاحب کو رپورٹ دی۔ اب عام ملاقات نہیں ہوتی تھی، نہ خاکسار کرتا تھا۔ دعا کا خط لکھ دیتا۔ ایک دفعہ دُعا کے جواب میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کا کارکن ایک خط لے کر آیا جس میں حضور نے استفسار فرمایا تھا کہ میرا بھائی شریف احمد آجکل کہاں ہوتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ خاکسار نے جواب دے دیا مگر لگتا ہے وہ خط حضور کی نظر سے نہیں گزرا۔ حضور کی باوجود بیماری کے، یادداشت کا اندازہ لگائیں کہ ایک ماہ کے بعد جب خاکسار نے دُعا کے لئے لکھا تو پھر وہی کارکن آیا اور خط دیا۔ جس میں حضور نے پوچھا تھا کہ آپ کا بھائی کہاں ہے اور کیا کرتا ہے۔

اُس زمانہ میں جب میٹرک کا امتحان ہوتا تو دسویں کلاس کی ملاقات حضور سے کرائی جاتی تھی۔ ہماری کلاس کی بھی ملاقات کرائی گئی۔ مکرم صوفی غلام محمد صاحب سب طلباء کا حضورؓ سے تعارف کروا رہے تھے۔ مگر جب میری باری آئی تو صوفی صاحب نہ جانے کیوں خاموش رہے۔ جس کا مجھے وقتی طور پر افسوس ہوا کہ میرا تعارف حضورؓ سے نہیں کروایا گیا۔ مگر جونہی میں نے مصافحہ کیا اور واپس مڑنے لگا تو حضورؓ نے دریافت فرمایا کہ

کیا یہ مبارک ہے؟ صوفی صاحب نے فرمایا جی حضور۔ آپ چونکہ اس کو جانتے تھے اس لیے میں نے تعارف نہیں کرایا تھا۔ اُسی سہ پہر جب کلاس واپس سکول آئی اور غالباً نماز کے لئے کھڑے تھے تو محترم میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی نے مجھے بلایا۔ آپ مجھے راجوری (راور جو کو لمبا کر کے) ایک خاص طرح بولتے تھے اور انگریزی میں راجوری کے ہجے بھی مروجہ طریق سے ہٹ کر لکھتے (RAJAURI)۔ میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے میاں مٹھائی کھلاؤ۔ عرض کیا کس خوشی میں، تو فرمانے لگے آج جب طلباء کی ملاقات شروع ہوئی تو حضور کی طبیعت اچھی نہ تھی بلکہ آپ سارا وقت خاموش رہے اور صرف ضروری بات ہی پوچھتے یا جواب دیتے اور بہت کم لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ مگر جونہی تم ملاقات کے لئے آئے اور صوفی غلام محمد صاحب نے تمہارا تعاف نہیں کرایا اور حضور نے از خود تمہارا نام لیا تو اس کے بعد جب تک ملاقات جاری رہی حضور کی طبیعت کافی خوشگوار ہو گئی اور ہم اساتذہ سے بھی ہشاش بشاش طریقہ سے گفتگو شروع فرما دی۔ یہ حالت ملاقات کے اختتام تک قائم رہی۔ میں نے عرض کیا اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ چند سال قبل تک تو یہ عاجز بیکار وقت گزاری کرتا تھا لیکن آج میری معمولی توجہ سے یہ یتیم بچہ معاشرہ کا مفید وجود بن کر نکل رہا ہے۔

میٹرک کے بعد خاکسار نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخلہ لے لیا اور ایف اے کرنے کے بعد بڑے بھائی ڈاکٹر شریف احمد کے پاس کراچی آ گیا اور کاروبارِ زندگی کی دوڑ میں مشغول ہو گیا۔ اور دوبارہ جلسہ سالانہ 1974ء ربوہ جانے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

ایک دفعہ جب سید میر داؤد احمد صاحب خدام الاحمدیہ کے صدر تھے، کراچی کے سالانہ اجتماع پر تشریف لائے اور خاکسار سے خاص طور پر ملے۔ خاکسار کی آپ کی بیگم صاحبزادی محترمہ امۃ الباسط صاحبہ سے جب آپ کی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ جبکہ نکاح غالباً 1946ء میں ہو گیا تھا قصرِ خلافت میں ملاقات تھی۔ اور محترمہ امۃ الباسط صاحبہ حضور کے بہت قریب تھیں۔ اس لیے غالباً محترم میر صاحب سے ذکر ہوتا ہوگا۔ آپ مجھے ایک طرف

لے گئے اور کافی ناراضگی سے جس میں محبت کا عنصر بھی شامل تھا فرمانے لگے کہ آپ تو لگتا ہے ربوہ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ راقم نے عرض کیا کہ پرائیویٹ اداروں کی نوکریوں میں چھٹیوں کی وہ سہولت نہیں ہوتی۔ آپ جب بھی کراچی تشریف لاتے تو مجھے ربوہ آنے کے لئے اکثر توجہ دلاتے رہتے۔ مجھے کافی حد تک یقین ہے کہ اس بات کی تہہ میں کہیں نہ کہیں حضرت المصلح الموعودؓ کی خواہش بھی شامل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

تعلیم الاسلام اسکول کے اساتذہ

جس وقت یہ عاجز اسکول میں داخل ہوا اس وقت جن اساتذہ سے واسطہ پڑا سب سے اول تو جیسا کہ ذکر کیا ماسٹر عبدالقدیر صاحب تھے۔ دوسرے چوہدری اللہ بخش زراعتی صاحب تھے۔ آپ زراعت پر عملی طور پر چنیوٹ میں کھیتوں میں لڑکوں کو لا کر سبزیاں وغیرہ لگوایا کرتے تھے۔ آپ بہت نیک انسان تھے۔ تہجد گزار اور کمال کے انسان تھے۔ آپ کے ساتھ خاکسار کا ذاتی تعلق تھا۔ خاکسار آپ کے گھر جو بڑے بورڈنگ ہاؤس کی چھت پر تھا، جانے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا۔ آپ کے غالباً تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ آپ کی زوجہ محترمہ کی وفات ہو چکی تھی۔ جلسہ سالانہ پر خاکسار کی ڈیوٹی آپ کے ساتھ لگتی تو آپ کے بچے لنگر خانہ میں آپ کے دفتر کے ایک حصہ میں رہتے۔ آپ خدا کے فضل وکرم سے سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ ایک دفعہ خاکسار نے ربوہ حاضری پر عرض کیا کہ کبھی کراچی آئیں فرمانے لگے کیا کراچی میں جمنا ہے؟ یعنی جمنا سے مراد خلیفہ وقت کا وجودِ مبارک تھا۔

ایک صاحب تھے ان کا نام چوہدری غلام رسول تھا۔ ایک صاحب کا نام تو کچھ اور تھا مگر آپ کو پی ٹی صاحب کہتے تھے۔ آپ بھی بہت نیک انسان تھے۔ پھر چوہدری عبدالرحمن صاحب بنگالی تھے۔ چوہدری عبدالرحمن مدینہ ریاضی والے تھے۔ میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی تھے۔ صوفی غلام محمد صاحب تھے۔ نذیر احمد رحمانی صاحب

تھے۔ صوفی ابراہیم صاحب بڑے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میاں محمد ابراہیم صاحب بھابھڑی تھے۔ آپ عبدالعزیز بھابھڑی صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کچھ عرصہ چھوٹے بورڈنگ ہاؤس کے نگران رہے۔ اسی طرح ایک صاحب ماسٹر عنایت اللہ صاحب تھے۔ آپ بہت نیک فطرت تھے۔ ان کی شادی ایک محترمہ سے ہوئی وہ ربوہ میں نہیں رہنا چاہتیں تھیں اور یہ ربوہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ ایک دفعہ چنیوٹ آئیں تو خاکسار کی ڈیوٹی لگی کہ ان کو لاہور کی بس پر بٹھاؤں۔ اس بیوی نے آپ کو بہت دکھ دیئے وہ شیعہ ہو گئی تھی اور کسی شیعہ سے شادی کر لی تھی۔ آپ کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ وہ ہر روز ہاف ٹائم میں کلاس کے دروازے میں کھڑا ہو جاتا اور آواز دیتا کہ بھائی جان ایک آنے دا پھان (کھلے پیسے) ہے اگر ہوتا تو دے دیتے ورنہ انکار کر دیتے۔ آپ جوانی میں ہی انتقال کر گئے۔ غالباً اس بیوی کے رویہ کی وجہ سے کیونکہ بچے بھی اُسی کے پاس تھے۔
ایک استاد ماسٹر نور الٰہی صاحب تھے۔ ماسٹر ابراہیم ناصر تھے۔ ماسٹر منظور احمد صاحب تھے۔ لیبارٹری کے انچارج عبدالرحیم صاحب تھے۔ محترم مبشر راجیکی صاحب سے بھی کچھ پڑھا۔ آپ ربوہ بورڈنگ ہاؤس میں بھی نگران تھے۔ اور شاعر بھی تھے۔

جب کالج میں داخلہ لیا تو اس وقت کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔ آپ طلباء کو پولیٹکل سائنس پڑھاتے تھے۔ آفس سپرنٹنڈنٹ جنید ہاشمی تھے۔ آپ پر صاحبزادہ صاحب کو بہت اعتماد تھا۔ آپ بڑی اچھی طبعیت کے مالک تھے۔ حضرت میاں صاحب نے ایک اصول بنایا ہوا تھا کہ ایک دفعہ جو لڑکا ایک فیکلٹی کا امتحان دے دے تو اسکو مضمون تبدیل نہیں کرنے دیا جائے گا اور اس پر آپ کافی سختی سے عمل کراتے۔ خاکسار کی ایک دفعہ کسی مضمون میں کمپارٹمنٹ آگئی تو اگلے سیشن میں خاکسار نے سائنس سے آرٹس کے مضمون رکھ لئے۔ اس اوپر والے فارمولے کا خاکسار کو علم نہ تھا۔ خاکسار جب محترم پرنسپل صاحب کی خدمت میں دستخط کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں اور بغیر دیکھے میرے فارم پر دستخط کر دیئے۔

جب میں محترم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب کی عربی کلاس میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا آپ تو سائنس کے طالب علم ہیں آپ عربی کیسے پڑھ رہے ہیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میں نے مضمون تبدیل کر لئے۔ آپ پھڑک اٹھے اور فرمایا آپ کو تو میاں صاحب اجازت ہی نہیں دے سکتے۔ غالباً آپ کے کسی عزیز پر یہ فارمولا لاگو ہو چکا تھا چنانچہ مجھے پکڑا اور جنید ہاشمی صاحب کے پاس لے گئے کہ مبارک کا فارم دکھائیں۔ اب فارم دیکھا تو حضرت میاں صاحب کے دستخط تھے۔ جنید ہاشمی صاحب نے کہا اب جانے دیں۔ مگر آپ کب ماننے والے تھے مجھے لے کر حضرت پرنسپل صاحب کے سامنے پہنچ گئے اور وہی فارمولا اور میری جسارت پیش کر دی۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ مضمون تبدیل کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا آپ نے پوچھا ہی نہ تھا آپ دیگر باتوں میں مشغول رہے۔ آپ نے بظاہر غصہ لیکن ہلکی سی مسکراہٹ سے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اور کہا جنید صاحب کو اندر بھجیں۔ اب صوفی صاحب محترم کو بھی شاید احساس ہو گیا کہ معمولی بات کو زیادہ بڑھا دیا گیا ہے۔ باہر آ کر ہاشمی صاحب سے کہنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ ہاشمی صاحب نے کہا میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ جانے دیں مگر آپ ہی مصر تھے۔ اب اگر میں فارم لے کر اندر گیا اور حضرت میاں صاحب نے دستخط منسوخ کر دیئے تو بات بگڑ جائے گی۔ تو اب جس طرح آپ نے بات کو بگاڑا ہے آپ ہی اس کو درست بھی کریں صوفی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ تو کلاس میں چلے جائیں اور خود ہاشمی صاحب کو لے کر اندر حضرت میاں صاحب کے پاس چلے گئے۔ مجھے تو اُسی وقت یقین ہو گیا کہ صوفی صاحب کہہ رہے ہیں کہ تم کلاس میں جاؤ تو معاملہ ختم ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان دونوں نے لکھ کر دیا کہ مبارک کی اجازت منسوخ نہ کریں آئندہ ہاشمی صاحب اچھی طرح چیک کر کے فارم پرنسپل صاحب کی خدمت میں پیش کیا کریں گے۔ حضرت میاں صاحب کی دریا دلی کے بارہ میں خاکسار نے غالباً انصار اللہ میں ایک صاحب کا واقعہ پڑھا کہ آپ اکثر طلباء کی ضروریات پر سفارش فرما دیتے تھے۔ ایک دفعہ

کسی دوست نے جنید ہاشمی صاحب کو کہا کہ آپ حضرت میاں صاحب کی سفارش روک دیتے ہیں تو ہاشمی صاحب کہنے لگے کہ اگر میں میاں صاحب کی ہر سفارش مان لوں تو پھر کالج کا اللہ حافظ۔ حضرت میاں صاحب اور ہاشمی صاحب آپس میں کلاس فیلو بھی تھے اور باہمی دوست بھی تھے۔

حضرت میاں صاحب کے علم میں تھا کہ میرا میٹرک تک کی تعلیم کا خرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اٹھایا کرتے تھے اور اب ربوہ کی رہائش اور کالج کا خرچہ اس کے لئے مشکل ہو گی۔ اس عرصہ میں آزاد کشمیر حکومت کی طرف سے کشمیری طلباء کے لئے میرٹ کی بنیاد پر وظیفہ کا اعلان ہوا وہ فارم جب اس مہربان باپ کے شفیق بیٹے کی میز پر آیا تو آپ نے فوراً جنید ہاشمی صاحب کو کہا کہ مبارک احمد کا فارم بھر دیا جاوے۔ خاکسار کو کوئی علم نہ تھا مگر جب دستخط کے لئے بلایا تو پتہ چلا۔ خاکسار پھر اس بات کو بھول بھال گیا۔ ایک دفعہ ہاشمی صاحب نے بلایا اور بتایا تمہارا چالیس روپے کا وظیفہ منظور ہو گیا ہے۔ اس طرح دو سال کے لئے خدا کے فضل و کرم سے بغیر کسی تکلیف کے تعلیمی اخراجات کا معاملہ حل ہو گیا اور میرے بڑے بھائی کے لئے کچھ سہولت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اسکول میں میرا اچھا وقت گزرا۔ علاوہ تعلیمی اخراجات کے خاکسار کو اس وقت چار روپے جیب خرچ ملتا تھا۔ اس زمانے میں چار روپے طالب علم کی عیاشی ہوتی تھی۔ خاکسار اسکول اور کالج میں نیک شہرت رکھنے والے طلباء میں شامل تھا۔ ہمیشہ تعلیمی، علمی اور ورزشی سرگرمیوں میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔ تقریری مباحثہ اور دیگر علمی مشاغل میں حصہ لیتا۔ ایک دفعہ محترم محمد ابراہیم جمونی صاحب نے بورڈنگ ہاؤس کے بارہ میں الفضل میں ایک مضمون لکھنے کو کہا۔ جو خاکسار نے لکھا اور غالباً ''بورڈنگ ہاؤس کے لیل ونہار'' کے زیر عنوان ایک خط کی صورت میں روزنامہ الفضل میں شائع ہوا۔ خاکسار عام کھیلوں میں اسکول میں حصہ لیتا۔ ہاکی، فٹبال، والی بال، کبڈی، کشتی رانی، دوڑ اور دیگر کھیلوں میں بھرپور شرکت کرتا۔ روئنگ کلب کا ممبر تھا اور صبح چار پانچ طلباء ہر روز پریکٹس کرنے دریائے چناب پر جاتے مگر کالج آ کر

اکثر مشاغل ترک کر دیئے۔

ہمارے ایک استاد ماسٹر سعد اللہ صاحب بھی تھے۔ کالج میں اسلامیات پہلے مولوی محمد دین صاحب پڑھاتے تھے۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اور مولوی برکت اللہ محمود صاحب کو آزمایا گیا۔ مگر ان بزرگوں کی کالج کے طلباء کے سامنے نہ جم سکی۔ آخر مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی کو لایا گیا۔ آپ نے طلباء کو اچھی طرح کنٹرول کیا آپ بہت حاضر جواب تھے۔ طالب علموں میں چونکہ غیر از جماعت طلباء کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی اس لئے وہ عام کالجز کے طلباء کی طرح بے باک گفتگو کرتے اور ہمارے یہ بزرگ جو شائستگی اور نیکی کا مثال ہوتے ان بچوں کو جواب نہ دیتے۔ مگر مولوی غلام احمد صاحب چونکہ مناظر بھی رہ چکے تھے اس لئے انہوں نے طلباء کو ان کے فارمولا پر اچھی طرح کنٹرول کیا۔

میں جب ربوہ گیا تو بہت ہی سیدھا سادہ دیہاتی لڑکا تھا۔ کوئی جان پہچان بھی نہ تھی۔ نہ ہی کوئی عزیز تھا اور نہ ہی کوئی مصروفیت تھی۔ اس لئے صبح کو اونگھتا رہتا اور دن کو آوارہ گردی کرتا یا زیادہ وقت مسجد میں رہتا تھا۔ ایک دن صبح صبح حضرت سیدہ بشریٰ مہر آپا صاحبہ اوپر سے نیچے تشریف لائیں۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر فرمانے لگیں یہ کیا حالت ہے چلو باہر سیر کر ئیں۔ آپ کے ساتھ ایک عزیزہ بھی تھیں۔ آپ ہمیں لے کر اس درّہ پر آ گئیں جو بہشتی مقبرہ کے پیچھے تھا۔ صبح کا وقت تھا ہم تینوں وہاں تقریباً آدھ پونا گھنٹہ کھڑے سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ آپ نے وہاں بعض پودوں کے پھول اکٹھے کئے۔ دوسری طرف کھیت تھے وہ زمانہ امن کا تھا۔ کسی قسم کا کوئی خوف دل میں نہ تھا۔ مگر بعد میں اور موجودہ دور میں جبکہ کمینگی اور تعصب کا عروج ہے ایک بچے کے ساتھ اس طرح کی سیر کا تصور بھی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اب تو لوگ شرافت کے دشمن بن چکے ہیں اور کمینوں اور رذیلوں کا غلبہ ہو گیا ہے اللہ کرے وہ وقت پھر سے آ سکے۔

کالج کے بعد خاکسار نے کچھ عرصہ سرکاری ملازمت بھی کی۔ مگر جلد چھوڑ دی

کیونکہ اس وقت پرئیویٹ ادارے زیادہ تنخواہ دیتے تھے۔ خاکسار نے کراچی یونیورسٹی میں بی کام کا امتحان دیا اور ساتھ ہی Institute of Cost Accountant جو کہ تمام کامن ویلتھ ملکوں میں پروفیشنلز تیار کرتا تھا، کی تیاری کی اور اسکے دو امتحانات دیئے۔ اس عرصہ میں خاکسار کی شادی ہو گئی۔ اس لئے اس کے باقی امتحانات نہ دے سکا۔ خاکسار نے مختلف اداروں میں تقریباً 45 سال سے زیادہ سروس کی اور ہر جگہ خاکسار کو ایک گروپ آف کمپنیز میں کام کرنے کی توفیق ملی۔ خاکسار نے چیف اکاؤنٹنٹ اور کمپنی سیکرٹری کے عہدہ پر کام کیا۔ اس وقت بھی ایک ادارہ میں تقریباً 33 سال سے اسی پوسٹ پر کام کر رہا ہوں۔ درمیان میں کچھ عرصہ ایک غیر ملکی کمپنی میں ٹیکس ایڈوائزر کے طور پر کام کیا۔ 2006ء میں خاکسار کو دل کی تکلیف ہوئی تو کام کم کرنا پڑا۔ اب میری جگہ پر میرا بیٹا ناصر محمود راجوری کام کر رہا ہے جسکی میں راہنمائی کر رہا ہوں۔

خاکسار نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی 1968ء میں کنری سندھ میں ٹھیکیدار عبدالرحمٰن صاحب کی بیٹی امۃ الودود صاحبہ سے ہوئی۔ جن سے پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا ناصر محمود راجوری ہیں۔ بڑی بیٹی امۃ المتین کی شادی مرزا محمد رفیق سے ہوئی ہے اور آجکل کینیڈا میں ہوتی ہے۔ دوسری بیٹی امۃ النصیر افشاں کی شادی چوہدری وسیم احمد سے ہوئی ہے جو جرمنی میں ہوتی ہے۔ تیسری بیٹی عطیۃ الوہاب کی شادی حامد احمد بٹ سے ہوئی جو حیدر آباد میں ہے۔ ایک بیٹی بشریٰ مبارک اور دوسری نصرت جہاں ہیں۔ بیٹا اس وقت بزنس میں ماسٹر کر رہا ہے اور میرے ساتھ اکاؤنٹ افسر کے طور پر کام بھی کر رہا ہے۔ پہلی بیوی کی وفات ایک حادثہ میں 1985ء میں ہوئی۔ دوسری شادی اپنی برادری میں میاں فیروز دین صاحب کی بیٹی نصیرہ بھٹی صاحبہ سے ہوئی۔ آپ کا خاندان علاقہ چارکوٹ کا باسی تھا اور بعد میں بڈھانوں چلا گیا تھا اور پاکستان بننے کے بعد بشیر آباد سندھ کے پاس حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کی اراضی لینی میں قیام پذیر ہے۔ آپ کے دو بھائی ہیں۔ ایک بھائی میاں نذیر حسین جو 1984ء میں وفات پا گئے۔ ان کے بچے کراچی اور

ایک بچی سعودی عرب میں قیام پذیر ہے۔ آپ کے دوسرے بھائی عبدالحمید بشیر آباد میں
رہائش پذیر ہیں۔ ایک بہن مجیدہ بیگم کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ نصیرہ بھٹی کی پہلی شادی
اس کے خالہ زاد سے ہوئی جس سے ایک بیٹا عبدالصمد PAF میں انجینئر ہے۔ بعض
حالات اور وجوہ کی بنا پر پہلی شادی سے آپ کو طلاق ہوگئی۔ نصیرہ سے خاکسار کے تین بچے
ہیں۔ ایک بیٹا طاہر محمود راجوری جو وقفِ نو میں شامل ہے اور 2008ء میں FSC کا
امتحان دیا۔ بڑی بیٹی امۃ الحئی نور ہیں جو فارمیسی میں کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہی
ہیں۔ چھوٹی بیٹی درِثمین نے امسال میٹرک کا امتحان دیا ہے۔ ایک بچہ عبدالحئی سرمد ہے۔
جو میری بیوی کا بھانجا ہے وہ ہماری کفالت میں ہے اور ابھی چھ سال کا ہے۔

جنت بی بی صاحبہ

قاضی محمد اکبر صاحب کی پانچویں بیٹی کا نام جنت بی بی تھا۔ آپ کی شادی میاں
علم دین صاحب سے ہوئی۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام
حبیب اللہ تھا۔ اس نے فرقان فورس میں خدمات سرانجام دیں۔ بعد میں یہ گوجرانوالہ کے
کسی علاقہ میں غیر احمدیوں کا پیر بن گیا۔ اس نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی اور اُس سے
ہونے والے بچے احمدیت پر قائم رہے جبکہ دوسری بیوی کی اولاد کے متعلق سنا ہے کہ وہ بد
قسمتی سے باپ کے نقشِ قدم پر چلی اور اُس کی گدی نشین ہے۔ جنت بی بی کی بڑی بیٹی کی
شادی فیروز دین سے ہوئی۔ آپ رہتال میں قیام پذیر تھیں۔ دوسری بیٹی کی شادی میاں
فقیر محمد ولد جعفر سے ہوئی۔

حلیمہ بیگم صاحبہ

قاضی محمد اکبر صاحب کی چھٹی بیٹی حلیمہ بیگم کی شادی آپ کے بڑے سالے
میاں کریم بخش کے بیٹے شیر محمد سے بڈھانوں میں ہوئی ان سے آپ کی ایک بیٹی سلیمہ بیگم

پیدا ہوئی آپ کی پیدائش کے تھوڑا عرصہ بعد حلیمہ بیگم کی وفات ہوگئی اور سلیمہ بیگم اپنے
ننھیال میں آگئیں آپ کی پرورش اس کی نانی نے کی۔ سلیمہ بیگم میری ہمشیرہ حلیمہ بیگم کی ہم
عمر تھیں۔ سلیمہ بیگم کی شادی میاں شیر بہادر کھل منگیا کے چھوٹے بیٹے سے ہوئی۔ جبکہ حلیمہ
بیگم صاحبہ کی دوسری بیٹی فاطمہ بیگم تھیں جو ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

شفیع بیگم صاحبہ

قاضی محمد اکبر صاحب کی ساتویں بیٹی کا نام صفیہ بیگم تھا جو بگڑ کر شفیع بیگم بن گیا۔
آپ کی شادی میاں غلام محمد صاحب سے ہوئی۔ آپ رہتال میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں
سے راجوری شہر قریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ ماشاءاللہ بہت صحت مند تھیں۔ گورا رنگ
اور لمبا قد تھا۔ سسرالی رشتہ دار خواتین نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگیں کہ لگتا ہے تمھاری
ماں دودھ میں نہلاتی رہی ہے۔ آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹی کا نام محمد بی تھا اور
خاکسار سے بچپن سے آپ منسوب تھیں۔ بعد میں اس کا نام رضیہ بیگم تبدیل کر دیا گیا۔ مگر
قسمت کو منظور نہ تھا پارٹیشن کے بعد ہم سندھ چلے گئے اور تعلیم چونکہ دیر سے شروع ہوئی اور
ان کی طرف سے شادی کا اصرار بڑھا تو بھائی نے معذرت کر لی۔ بعد میں اس کی شادی
دوسری جگہ کر دی گئی۔ بڑے بیٹے محمد حسین فوج میں بھرتی ہوگئے اور 1965ء میں گوریلا
جنگ کے سلسلہ میں آپ کشمیر چلے گئے۔ دشمن کے سپاہی آپ کے تعاقب میں چلے آرہے
تھے۔ آزاد کشمیر کا بارڈر کراس کر کے آرام کرنے لگے کسی کام کے لئے اٹھے تو دشمن پر نظر
پڑی۔ آپ نے ساتھیوں کو خبردار کرنے کے لیے آواز لگائی مگر اب کافی دیر ہو چکی تھی۔
دشمن نے فائرنگ شروع کر دی اور آپ نے شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ آپ کی شادی اپنے
بڑے ماموں میاں فضل دین کی بیٹی امۃ الحئی سے ہوئی آپ صاحب اولاد تھے۔
دوسرے بیٹے بشیر احمد ہیں اور تیسرے بیٹے ڈاکٹر نذیر احمد تھے۔ جنہیں وزیرآباد
قیام کے دوران اکتوبر 1997ء میں راہ مولا میں قربان ہو کر شہادت کا رتبہ حاصل

ہوا۔آپ کی شہادت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکرِ خیر فرمایا۔یہ خاندان بعداز ہجرت ڈھونو کی (وزیرآباد) میں رہائش پذیر ہوا۔

شفیع بیگم صاحبہ کے خاوند میاں غلام محمد پڑھے لکھے تھے۔آپ کا ایک مشغلہ فال نکالنا ہوتا تھا۔مگر یہ کسی مالی منفعت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شوق کی خاطر تھا۔علاقہ میں لوگ توہم پرست تھے اور جنوں بھوتوں کے قائل تھے اور ایک جن کا نام جلم سان تھا۔اس کا تذکرہ بہت زیادہ تھا۔راتوں کو لوگ گھروں سے باہر اکیلے بہت کم نکلتے کیونکہ آبادیاں دور دور تھیں اور علاقے ویران تھے۔یہ بات محض ضمناً آگئی ورنہ تفصیل سے معاشرتی اور تمدنی حالات پر تبصرہ بعد میں کروں گا۔

قاضی صاحب کے ایک سالے میاں دیدار بخش تھے آپ بڑھانوں میں قیام پذیر تھے اور زمیندارہ کرتے تھے مالی لحاظ سے آپ اچھی حالت کے تھے چونکہ شہر سے آپ بہت دور کوئی پندرہ میل کے فاصلہ پر رہتے تھے اس لیے دوکانداری بھی کرتے مگر صرف ضروریات کے لیے کسی نفع نقصان کے لیے نہیں۔آپ تجارت کا سامان خچروں پر بھمبھر یا جہلم سے منگواتے۔آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔بیٹی زینب بیگم کی شادی اپنے بھانجے میاں عبداللہ سے کی تھی جس کا ذکر پہلے آگیا ہے۔

میاں دیدار بخش کے بڑے بیٹے میاں مصاحب علی تھے۔آپ زمیندارہ بھی کرتے گرمیوں میں مال مویشی لے کر اوپر ٹھنڈے علاقے میں لے جاتے۔آپ کی دو بیٹیاں جنت بی بی اور جماعتی تھیں جن کی شادی بڑے بھائی ڈاکٹر شریف احمد اور رشید احمد ولد محمد فیروز دین سے ہوئی۔جماعتی صاحبہ سے قبل رشید احمد کی پہلی شادی نور بی بی بنت فقیر محمد سے ہوئی۔

آپ کے دوسرے بیٹے نظام دین تھے۔پہلے وہ پاکستان آگئے تھے مگر بعد میں واپس چلے گئے اور بڑھانوں میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔آپ کی شادی بھی فقیر محمد کی بیٹی جنت بی بی سے ہوئی۔میاں دیدار بخش کے تیسرے بیٹے کا نام غلام محمد تھا۔مگر آپ عین

جوانی میں فوت ہو گئے۔ان کی وفات کا بھی عجیب واقعہ تھا ایک دن سکول سے چھٹی جلدی ہو گئی۔تو ہم تین دوست فیض احمد، محمد حسین اور خاکسار وہاں پڑھتے تھے۔ہم نے اس دن فیصلہ کیا چلو آج بڑھانوں چلتے ہیں شام کو واپس آجائیں گے۔وہاں پہنچے تو بارش شروع ہو گئی۔ساون بھادوں کا موسم تھا بارش بہت تیز ہو گئی۔بڑھانوں اور رہتال کے درمیان دریا تھا جو پیر پنجال پہاڑ سے نکلتا تھا۔بارش سے دریا میں طغیانی آگئی۔ہم لوگ بلا اطلاع گھر سے آگئے تھے اگر گھر نہ پہنچتے تو گھر والے پریشان ہو جاتے اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ میاں غلام محمد صاحب ہمیں کندھے پر بٹھا کر دریا پار کرادیں گے۔آپ ماشاءاللہ کٹڑیل جوان تھے۔ہاتھ میں ایک لمبا سوٹا لیا اور دریا کی وہ شاخیں جو چھوٹی تھیں وہ آسانی سے پار کرادیں مگر بڑی شاخ پر پانی کافی گہرا تھا لیکن تیز نہ تھا۔آپ نے باری باری ہم تینوں کو کندھے پر بٹھا کر دریا پار کرادیا۔طغیانی کا آپ اندازہ لگائیں کہ پانی آپ کی بغلوں تک آرہا تھا پھر شام بھی ہوتی جارہی تھی موسم ابر آلود تھا دریا کا پاٹ کافی چوڑا تھا۔ہمیں دریا پار کرا کر جب گھر گئے تو بخار ہو گیا۔دو تین دن نیم بیہوشی کی حالت رہی اور آپ اسی حالت میں فوت ہو گئے۔آپ انتہائی خوبصورت اور صحت مند نوجوان تھے۔عمر غالباً بیس پچیس سال ہو گی مگر خدائی مشیت کے آگے کسی کا زور نہیں۔

قاضی صاحب کے سب سے بڑے برادر نسبتی میاں کریم بخش تھے۔آپ بھی بڑھانوں میں قیام پذیر تھے۔آپ کے بیٹے میاں شیر محمد سے قاضی صاحب کی بیٹی حلیمہ بیگم کی شادی ہوئی تھی۔آپ کے دوسرے بیٹے میاں دوست محمد تھے۔آپ کی شادی صالح بی جو کہ میاں حسینا کچھ والا کی بیٹی تھیں سے ہوئی۔آپ کی تین بیٹیاں تھیں ایک بیگماں بی، انکی شادی ستار محمد سے ہوئی۔پھر ناظر بی، آپ کی شادی میاں فضل دین سے ہوئی۔اور تیسری ریشماں کی شادی محمد عالم سے ہوئی۔جو کہ محمود آباد سندھ میں قیام پذیر رہے اور وہیں وفات ہوئی۔آپ کے ایک بیٹے عبدالغنی کنری میں اسکول ٹیچر رہے۔ایک بیٹی نور بیگماں کی شادی خوشی محمد سے ہوئی۔میاں کریم بخش کی ایک بیٹی فہمیدہ بھی تھی، اس کی شادی

چارکوٹ میں ہوئی مگر وہ غالباً بیعت پر اپنے میاں کی وجہ سے قائم نہ رہیں۔

میاں امان علی صاحب

آپ کا عمومی ذکر پہلے آگیا ہے۔ آپ چارکوٹ کے ایک معزز زمیندار تھے۔ اس کے علاوہ علاقہ میں مہاراجہ کی طرف سے چوکیدار یا نگران بھی تھے۔ آپ ہر ماہ کے شروع میں تحصیل ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کرتے آپ کی تنخواہ دو طرح سے ہوتی۔ ایک نقدی کی صورت میں اور دوسرے ہر فصل پر ہر زمیندار سے ایک پتھ ملتا۔ ایک پتھ تقریباً پانچ سیر کا ہوتا تھا۔ آپ دو بھائی تھے دوسرے بھائی کا نام معلوم نہیں۔ آپ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ بڑے بیٹے کا نام میاں اکبر علی صاحب تھا۔ آپ کی شادی قاضی صاحب کی بہن روشنا یا روشن بی بی سے ہوئی۔ آپ چارکوٹ میں جکالا میں رہتے تھے آپ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ آپ پیشہ کے لحاظ سے زمیندار تھے۔ راجہ خورشید احمد منیر صاحب کا ذکر پہلے آچکا ہے آپ نے اپنی ضعیف العمر والدہ کو غالباً اپنی کمر پر بٹھا کر 1947ء میں ہجرت کی۔ اسی طرح ایک دوست میاں محمد حسین صاحب ابن میاں الف دین صاحب بھی اپنی اہلیہ کو جو گرنے کی وجہ سے ریڑھ کی ہڈی تڑوا بیٹھی تھیں، اپنی کمر پر اٹھا کر پاکستان لائے۔ ماسٹر محمد حسین ایک خوبصورت نوجوان تھے اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی کافی صحت مند تھیں۔ مگر گرنے کی وجہ سے معذور ہوگئی تھیں۔ آپ کے خاوند نے کمال وفاداری سے ساتھ دیا۔ میاں اکبر علی راقم کے بڑے تایا تھے مگر خاکسار کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی تھی۔

میاں امان علی کے دوسرے بیٹے میاں محمد ابراہیم تھے۔ آپ چارکوٹ کے مقام پر قیام پذیر تھے۔ آپ کی پہلی بیوی ایک حادثہ میں فوت ہوگئی تھیں۔ ایک دفعہ سخت بارش میں ایک عارضی ٹاھرا جو جانوروں کے لیے بنا ہوا تھا۔ جس میں آپ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس عارضی چھپر پر مٹی کا تودا گر گیا، جس میں دب کر آپ فوت ہوگئیں۔ آپ سے میاں ابراہیم

صاحب کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹے کا نام محمد یوسف تھا جو ناصر آباد میں حضرت خلیفۃ المسیح کے فارم میں باغبان تھے۔ آخر عمر میں آپ محمود آباد میں رہتے تھے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی آپ کی شادی پنجاب کے ایک مہاجر خاندان میں ہوئی۔ آپ کی بیوی کا نام فضل بی بی تھا۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سندھ کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ آپ نے بیوی کو حضور کے پاس بھیجا کہ فضل بی بی بہت پرانا نام ہے کوئی دوسرا نام تجویز کریں حضورؓ نے بات سن کر فرمایا کہ فضل بی بی بہت اچھا نام ہے۔ خدا کا فضل کیا تبدیل کروں؟ واپس آکر بیوی نے خاوند کو ساری بات بتائی لیکن میاں مطمئن نہیں ہوئے اور بیوی کو تاکیدی حکم کے ساتھ دوبارہ بھیجا۔ تو حضورؓ نے فرمایا کہ فضل بی بی تو بہت اچھا نام ہے آپ کو ماڈرن نام چاہیے تو ملکہ وکٹوریہ نام رکھ لیں۔ اس طرح خاندان میں ایک لطیفہ بن گیا۔ میاں ابراہیم کی دوسری شادی عرشاں بی سے ہوئی ان سے ایک بیٹا مبارک احمد قمر ہیں۔ اور ایک بیٹی بھی تھی۔ مبارک احمد صاحب قمر سلسلہ کے مربی ہیں اور ایک عرصہ پاکستان سے باہر آپ کو خدمت کی توفیق ملی۔ آج کل آپ ربوہ میں قیام پذیر ہیں۔ اور دفتر نظارت رشتہ ناطہ میں خدمت بجالا رہے ہیں۔

میاں امان علی صاحب کے تیسرے بیٹے کا نام محمد اسماعیل تھا۔ آپ کا ذکر پہلے تفصیلاً آچکا ہے۔ آپ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپ کی شادی رقیہ بیگم بنت قاضی محمد اکبر صاحب سے ہوئی۔ پارٹیشن کے بعد کنری سندھ میں رہائش پذیر تھیں اور یہیں وفات پائی اور مٹھی بی بی کنری کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ آپ کی زندگی قائم اللیل وصائم النہار کا عملی نمونہ تھی۔ آپ کثرت سے نوافل اور روزے منت کے رکھتیں۔ وفات کے وقت آپ کے کچھ روزے منت کے باقی تھے۔ جو ہماری بہن حلیمہ بیگم نے پورے کئے۔ میاں محمد اسماعیل کی وفات رہتال میں ہوئی۔ جب آپ کی قبر کو اطراف سے پکا کیا جانے لگا تو اوپر سے مٹی ہٹائی گئی اور اندر قبر کو ایک طرف سے دیکھا۔ تو آپ کی میت جس حال میں رکھی تھی اسی حال میں تھی۔ البتہ ایک پاؤں ایک طرف کو جھکا ہوا تھا۔ کفن بھی ویسا ہی صاف ستھرا تھا۔

صرف چند مٹی کے ٹکڑے اوپر تھے۔ یہ واقعہ تدفین کے ایک سال بعد کا ہے۔

میاں امان علی کی چار بیٹیاں تھیں۔ آپ کی ایک بیٹی جمال بی بی کی شادی میاں عطاءاللہ صاحب سے ہوئی۔ جن سے آپ کے تین بیٹے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے بیٹے ماسٹر میاں بشیر احمد تھے۔ دوسرے میاں رفیق اور تیسرے میاں نذیر تھے۔ میاں اُمان علی کی دوسری بیٹی عالم بی تھیں۔ آپ کی شادی میاں علی حیدر ولد بابالخیا سے ہوئی۔ آپ کی ایک بیٹی ہدایت بی بی کی شادی اپنے خالہ زاد میاں نذیر سے ہوئی۔ ہماری اس پھوپھو نے آخری عمر میں کافی تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ میاں علی حیدر کا ایک بھائی محمد دین تھا جو چارکوٹ میں رہتا تھا۔ میاں امان علی کی تیسری بیٹی کا نام راج کلی تھا۔ آپ کی شادی مینڈر میں ہوئی۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ آپ اکثر ہمارے یہاں رہتال تشریف لاتیں تو بڑی رونق رہتی۔ جب ہمارے والد میاں محمد اسماعیل صاحب کی وفات ہوئی تو آپ چونکہ کافی دور رہتی تھیں اس لیے اس وقت پہنچیں جب لحد پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ آپ بلک بلک کر رو رہی تھیں کہ میرے بھائی کا چہرہ دکھا دو۔ مگر علماء نے مخالفت کی کہ اب قبر کشائی نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہیں اور پارٹیشن کے بعد پاکستان آگئیں اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے خاوند کے متعلق علم نہیں کہ وہ بیعت سے تھے یا نہیں۔ اُس وقت شادیوں میں احمدی غیر احمدی کو نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ برادری میں شادیاں ایک دوسرے سے کر دی جاتی تھیں۔

میاں امان علی کی چوتھی بیٹی حلیمہ بیگم تھیں۔ آپ کے میاں کا نام میاں کرم دین تھا۔ آپ عالم آدمی تھے اور علاقے میں حکمت بھی کرتے تھے۔ آپ پونچھ کے علاقہ شہینہ درہ یعنی شیروں کا درہ میں رہتے تھے۔ والدہ بتاتی تھیں کہ جب تمہاری اس پھوپھی کو جو سب سے چھوٹی تھیں شادی ہوئی تو تمہارے والد رات کے وقت برات کے ساتھ شہینہ درہ گئے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ گاؤں کے اردگرد بڑے بڑے سیاہ پہاڑ تھے۔ والد نے جب یہ نظارہ دیکھا تو زاروقطار رونے لگے کہ میں نے اپنی بہن کو کہاں بیاہ دیا۔ مگر

یہ شادی کامیاب رہی اور میاں کرم دین نے آپ کو خوش رکھا۔ سال کے بعد آپ ہمارے ہاں تشریف لاتیں اور ایک ماہ کے قریب قیام کیا کرتیں۔ آپ کی شکل بہت معصوم سی تھی۔ بالکل نوجوان تھیں قد کاٹھ میری بہن حلیمہ بیگم جیسا یعنی لمبا تھا۔ آپ بہت خاموش فطرت تھیں۔ آپ کے میاں بھی بہت نیک انسان تھے آپ سر پر پگڑی باندھتے تھے۔ آپ کے بچے پاکستان آگئے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی بیٹی ہمارے یہاں آئی تھیں مگر ان کا زیادہ علم نہیں ہے۔ آپ کی نواسی کے میاں غالباً امور عامہ ربوہ میں ہوتے تھے۔

ہماری پھوپھیاں ہمارے والد صاحب سے بہت محبت کرتیں تھیں اور اپنے دکھ درد اور خوشیاں آپ سے ذکر کرتیں۔ ہمارے والد صاحب اور انکے بڑے بھائی میاں ابراہیم میں باہم بہت محبت تھی۔ جب آپ ہمارے ہاں آتے تو کافی عرصہ رہتے۔ ہمارے بڑے تایا محترم میری پیدائش سے قبل ہی فوت ہوگئے تھے۔ اسی طرح ہمارے چچا حسن محمد بھی ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔

میاں امان علی کے ایک چھوٹے بھائی ہوتے تھے۔ لیکن غالباً وہ بیعت سے نہ تھے۔ ہماری دادی کی دوسری شادی میاں سواج سے ہوئی۔ آپ احمدی نہ تھے۔ آپ کا بیٹا حسن محمد احمدی تھے اور بہت مخلص احمدی تھے۔ ان کی والدہ یعنی ہماری دادی فوت ہوگئیں ان کی عمر اس وقت چار پانچ سال کی تھی۔ ہمارے والد صاحب نے ان کو اپنے پاس لاکر پالا پوسا اور شادی بھی ہمارے والد صاحب نے ہی کروائی۔ ان کی پہلی بیوی سے غالباً پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ان میں سے بعض احمدی تھے اور بعض نہیں تھے۔ چونکہ یہ لوگ اہلِ حدیث تھے اس لیے ان کے ہاں بیوہ کی شادی کا رواج عام تھا۔ نہ بیوہ برا مناتی نہ عزیز واقارب اور بعض دفعہ اتنا غلو کرتے کہ معاملہ جبر کی حد تک پہنچ جاتا۔ میاں سواج کے ہاں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کی ایک بیٹی بیوہ ہوئی وہ عمر کی بھی زیادہ تھیں۔ اولاد بھی جوان اور صاحبِ جائیداد تھی۔ ان کی مرضی کے خلاف رشتہ کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔ مگر بھائیوں اور بیٹوں نے اس کو کمرے میں بند کر دیا اور مولوی کو بلا کر نکاح کرنا چاہا تو اس نے

کھڑکی سے کود کر بھاگنا چاہا۔ تو غریب کی ٹانگ ٹوٹ گئی مگر شادی پھر بھی کرنی پڑی۔

رہتال میں ایک خاندان میاں شہاب دین ولد میر علی موڑہ والے کا تھا۔ آپ ہمارے ددھیال کے قریبی عزیزوں سے تھے۔ آپ تین بھائی تھے دیگر دو بھائی میاں فقیر محمد اور میاں فرمان علی صاحب تھے۔ میاں شہاب دین صاحب تو رہتال میں رہائش پذیر تھے۔ البتہ آپ کے دوسرے دو بھائی چارکوٹ میں قیام پذیر تھے۔ میاں شہاب دین رہتال میں زمیندارہ کرتے تھے۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ آپ کی بیویوں کے نام محترمہ شالماں بیگم اور زہرہ بیگم تھے۔ میاں شہاب دین کے بڑے بیٹے میاں عبدالعزیز تھے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ناصر آباد والے باغ میں باغبان تھے۔ آپ کے دوسرے بھائی میاں نذیر احمد تھے۔ آپ ہجرت کے بعد بشیر آباد سندھ میں آباد ہو گئے۔ آپ کے ایک بیٹے فرید احمد بھٹی مربی سلسلہ ہیں۔ میاں عبدالعزیز صاحب نے باغبانی کے بعد پنجاب میں غالباً گوجرانوالہ میں زمین لے کر وہاں رہائش اختیار کی اور اپنا باغ لگایا۔ مگر چونکہ بچے سارے برسرِ روزگار تھے اس لیے اس کو فرخت کر کے ربوہ میں رہائش اختیار کر لی اور پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کی۔ آپ کی ایک بہن جنت بی بی تھیں۔ جن کی شادی میاں عبداللہ صاحب سے ہوئی۔ آپ بشیر آباد میں رہائش پذیر تھیں اور وہاں ہی وفات ہوئی۔ میاں شہاب دین کی دوسری بیوی سے ایک بچہ میاں محمد ابراہیم ہیں۔ آپ بشیر آباد میں ٹیچر تھے اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آپ کا ایک بیٹا مکرم داؤد احمد مربی سلسلہ ہے۔ ایک عرصہ سندھ اور کراچی میں مربی تھے آجکل پاکستان سے باہر ہوتے ہیں۔ مالی عبدالعزیز صاحب کی تین صاحبزادیاں اور سات بیٹے ہیں۔ آپ کے دو بیٹے حافظ عبدالرحمن صاحب و حافظ عبدالحئی صاحب مربی سلسلہ ہیں۔ آپ کی وفات فروری 2009ء میں ربوہ میں ہوئی۔

رہتال میں ایک خاندان میاں عنایت اللہ صاحب کا بھی تھا۔ آپ کے والد صاحب کا نام میاں فتح محمد تھا۔ آپ چارکوٹ میں رہتے تھے بعد میں رہتال آ گئے۔ آپ

چھ بھائی تھے میاں عبداللہ، میاں رحمت اللہ، میاں ابراہیم، میاں دین محمد اور میاں محمد اسماعیل۔ میاں عنایت اللہ کے ایک بھائی محمد اسماعیل تھے۔ ان کی شادی میاں روشن دین کی بیٹی حلیمہ سے ہوئی مگر آپ کی جلد وفات ہوگئی۔ اس کے بعد حلیمہ بیگم کی شادی میاں عبدالرحیم سے ہوگئی۔

ایک خاندان رہتال کے آخر میں رہتا تھا۔ آپ لوگ غالباً میاں عنایت اللہ صاحب کے عزیزوں میں سے تھے۔ آپ تین بھائی تھے۔ ایک بھائی جمالا دوسرا شاوہ اور تیسرا اگلا تھے غالباً جمال دین، شاہ محمد اور گلاب دین۔ مؤخر الذکر دو بھائیوں کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ 1974ء کے بعد بدقسمتی سے جماعت سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی۔

رہتال میں ایک اور خاندان تھا لیکن اس کے سربراہ کا علم نہیں۔ مگر آپ کے دو لڑکے تھے ایک میاں جمال دین اور دوسرے میاں محمد دین تھے۔ آپ میاں عبدالرحیم ولد میاں عبدالرحمٰن کے سالے تھے۔ آپ لبِ سڑک قیام کرتے تھے اور زمیندارہ کیا کرتے تھے۔ یہ کافی بڑا گھرانا تھا۔

راجوری شہر میں ایک احمدی مستری عبدالغنی صاحب رہتے تھے۔ آپ جموں کے علاقہ سے آئے تھے اور راج گیری کرتے تھے۔ شہر میں غالباً آپ کا اکیلا ہی خاندان تھا۔ آپ کی تین بچیاں اور ایک بچہ تھا۔ شادی غالباً بڑی عمر میں ہوئی تھی۔ جب ہماری آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ بڑی عمر کے تھے اور بیوی نوجوان اور بچے چھوٹے تھے۔ جب ہندو مسلم فسادات کا خدشہ ہوا تو شہر کی رہائش ترک کر کے ہمارے ہاں آ گئے۔ مگر جب ہمیں وہ علاقہ چھوڑنا پڑا تو آپ پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ دونوں میاں بیوی بہت نیک اور مخلص تھے۔ جب کوئی ہم میں سے شہر جاتا تو بہت محبت سے پیش آتے۔

رہتال میں ایک خاندان میاں غلام محمد صاحب کا تھا۔ آپ کی بیوی کا نام بیگماں تھا۔ جو میاں علم دین کی بیٹی اور مولوی بشیر احمد مولوی فاضل کی بہن تھیں۔ آپ کا ایک بیٹا میاں عبداللہ اور ایک بیٹی کالی تھی۔ آپ کا نام تو کالی تھا اور رنگ بھی سیاہی مائل تھا مگر فطرت

کی خوبصورت اور نیک تھیں۔آپ کی شادی ہمارے چچا حسن محمد سے ہوئی تھی۔ہم نے دونوں میاں بیوی کو پیار محبت سے رہتے دیکھا۔چونکہ میاں حسن محمد کو ہمارے والد صاحب نے ہی پالا تھا اور ہمارے گھر میں ہی بچپن گزارا تھا۔زمین جو بھائیوں نے قبضہ کر لی تھی، اسکو بھی والد صاحب نے مقدمہ کر کے قبضہ دلایا۔اس لئے آپ ہمارے والدین کی بہت عزت کرتے اور ہمارے والدین بھی آپ کو بچوں کی طرح عزیز رکھتے۔والد صاحب نے ان کو ایک گھوڑا بھی دلایا ہوا تھا۔آپ کے تین بیٹے محمد صادق، مبشر احمد اور بشیر احمد تھے۔جبکہ ایک بیٹی تھی۔محمد صادق اور مبشر احمد دونوں فوج میں چلے گئے اور غالباً دونوں ہی صوبیدار تھے اور اپنی یونٹ کے کوارٹر ماسٹر تھے۔چونکہ دونوں ہی بہت ایماندار تھے اس لئے کوئی آفیسر آپ کو کوارٹر ماسٹر کی پوسٹ سے علیحدہ نہ کرتا۔میاں غلام محمد صاحب قادیان چلے گئے تھے اور لنگر خانہ میں خدمت بجالاتے تھے۔جو تنخواہ ملتی اس کو چندہ میں دے دیتے اور ساری ساری رات آپ نوافل ادا کرتے رہتے۔جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ میاں غلام محمد صاحب کی یہ حالت تھی، جس پر حضورؓ نے ازراہِ شفقت حضرت مسیح موعودؑ کی اس ہدایت کے مطابق کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی احمدی کوئی جائیداد نہیں رکھتا تھا مگر نیک، متقی، راستباز اور جماعت کی خدمت گزاری میں وقت گزارتا تھا تو اس کو بغیر وصیت کے بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جائے گا۔آپ کی تدفین حضورؓ کے حکم پر بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی اور کتبہ پر یہ تحریر موجود ہے۔آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیوی بیگماں بیگم کی اپنے دیور میاں عبداللہ صاحب سے شادی ہوگئی اور اس شادی سے ایک بیٹا میاں عبدالقدیر اور بیٹی فاطمہ بیگم ہوئے۔میاں عبدالقدیر آج کل عمر کوٹ میں ہوتے ہیں اور اچھی حالت میں ہیں نیز اولاد بھی خدا کے فضل سے اچھی حالت میں ہے۔
میاں عبداللہ صاحب کی ایک شادی اس سے قبل محترمہ لال بی بی صاحبہ سے ہوئی جس سے میاں اختر احمد، احمد دین، عبدالمجید اور نیک بی بی پیدا ہوئے۔آپ کے تیسرے بھائی فقیر محمد تھے۔آپ کے بیٹوں کے نام برکت علی، عبدالغنی، مقبول احمد، خلیل احمد اور منیر احمد تھے۔

برکت علی کے ایک بیٹے اکرام اللہ صاحب سلسلہ کے مربی ہیں۔
میاں غلام محمد کے بیٹے محمد عبداللہ میڈیکل پریکٹیشنر تھے۔آپ کی شادی میاں فضل دین کی بیٹی محمد بی بی سے ہوئی۔آپ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ایک بیٹا عبدالمالک وزارتِ خارجہ میں اچھی پوسٹ پر ہے۔ایک بیٹا فضل الرحمٰن پاکستان اسٹیل مل میں ہے۔اس کی شادی میری بہن حلیمہ بیگم کی بیٹی مبشرہ سے ہوئی۔ان کا ایک بیٹا وقاص احمد جامعہ احمدیہ میں متعلم ہے۔دوسرے دو بھائی بھی خدا کے فضل سے اچھی حالت میں ہیں۔ایک بیٹی ناصرہ بیگم کی شادی میاں خلیل احمد ابن میاں فقیر محمد سے ہوئی جو کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ایک بیٹی نشاط بیگم اور دوسری نجمہ بیگم میری بہن حلیمہ بیگم کی بہوئیں ہیں۔نجمہ کی شادی عزیز جمیل احمد اور نشاط بیگم کی شادی محمد سمیع سے ہوئی ہے۔جو آج کل لندن میں رہائش پذیر ہیں۔سارے بچے خدا کے فضل و کرم سے اچھی حالت میں ہیں اور یہ صلہ خدا تعالیٰ سے ان کو ان کے دادا میاں غلام محمد کے تقویٰ، طہارت، نیکی اور جماعت سے اخلاص کی وجہ سے عطا ہوا۔
1946ء میں رہتال میں ایک نوجوان محمدا رہتا تھا۔وہ کاسبی خاندان کا نوجوان بچہ تھا اور میرے بھائی شریف احمد کا ہم عمر تھا وہ احمدی ہوگیا۔یہ خاندان پیشہ کے لحاظ سے جولاہا تھا اس لیے وہ کاسبی کہلاتا تھا۔آپ کا تعلق ہمارے سارے خاندان سے بہت زیادہ تھا۔اس کو بھائی اور والدین نے بیعت سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی۔مگر جب وہ نہ مانا تو وہ اس کو اپنے علاقہ میں لے گئے اور اذیت سے مار دیا اور لاش کو ڈھاب میں پھینک گئے۔آخر اس کو رہتال واپس لائے اسکے ناک اور منہ سے جھاگ نکلتی تھی۔ان ظالموں نے اس کو محض تبدیلی عقیدہ کی وجہ سے مار دیا۔ہم اس کو دیکھنے کے لئے گئے۔علاقہ کے ہندوؤں نے کہا اسکو مار دیا گیا ہے ان پر مقدمہ قائم ہونا چاہیے مگر کون کرتا وہ میرے بڑے بھائی شریف احمد کا دوست تھا۔اس کا چھوٹا بھائی بھی احمدیوں کے ساتھ رہتا تھا۔اگر ملک کی تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو وہ بھی ضرور احمدی ہو جاتا۔وہ آزاد کشمیر کی فوج میں بھرتی ہوگیا بعد

میں اس کا کیا ہوا، علم نہیں۔ محمدا کی نماز جنازہ غائب جماعت احمدیہ رہتال نے ادا کی تھی۔ کیونکہ اس کی لاش اس کے ورثاء نے جماعت کے حوالے نہیں کی تھی۔

میاں اللہ دتہ ایک غریب احمدی دوست تھے۔ شروع میں یہ ہمارے ماموں کے ہاں ملازمت کرتے تھے۔ انہوں نے ہی ان کی شادی کروائی تھی بعد میں آپ نے کسی کے ساتھ مل کر زمینداری کرنا شروع کر دیا۔ انکی جگہ ہمارے ماموں کے ایک دوست جن کا نام دوست محمد تھا، ملازمت شروع کی وہ نمک بالکل استعمال نہیں کرتے تھے لوگ کہتے تھے کہ اگر ان کو سانپ کاٹ لے تو وہ مر جائے گا مگر یہ نہیں مرے گا۔ البتہ اگر یہ کسی انسان کو کاٹ لے تو وہ زہر سے مر جائے گا واللہ علم۔

میاں علیا، یہ ایک غریب دوست تھے جن کا تعلق چارکوٹ سے تھا۔ غالباً ان کا اصل نام علی محمد تھا۔ یہ ہمارے والد صاحب کے پرانے ملازم تھے اور بہت ہی سیدھے سادھے تھے۔ کانوں سے بہرے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ جتنے یہ سیدھے سادھے لگتے ہیں اتنے یہ ہیں نہیں، لیکن آپ بہت مخلص آدمی تھے۔ ان کو رات کے وقت نظر نہیں آتا تھا اس لئے وہ صرف دن کو ہی کام کر سکتے تھے۔ شام کے بعد یہ کسی کام کے نہ رہتے۔ چونکہ یہ قابل بھروسہ تھے اس لئے یہ کافی عرصہ ہمارے ہاں رہے۔ ان کا کام صرف کھیتی باڑی کرنا ہوتا تھا۔ ان کی باقی فیملی کے بارے میں خاکسار کو علم نہیں۔ یہ چالیس کی دھائی کے ابتدائی سالوں میں پنجاب محنت مزدوری کرنے چلے گئے۔ ہجرت کے بعد ایک دفعہ کنری سندھ ہماری والدہ صاحبہ سے ملنے آئے تھے، مگر خاکسار اس وقت ربوہ میں ہوتا تھا رہتال میں علاوہ ازیں بھی کئی ایک خاندان تھے جن کی اس وقت راقم کے پاس تفصیل نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک صاحب میاں دیوان علی اور دوسرا امائی بکھی کا خاندان تھا۔

میاں الف دین صاحب، آپ چارکوٹ میں قیام پذیر تھے۔ آپ کی اہلیہ کا نام غالباً بانی تھا آپ کی رہائش قاضی محمد اکبر صاحب کے گھر کے قریب تھی۔ آپ کے چہرہ پر لقوہ کا کچھ اثر تھا۔ آپ بہت ہی مخلص آدمی تھے۔ سال میں ایک آدھ چکر رہتال کا لگاتے

تھے۔ آپ کا ایک بیٹا محمد حسین تھا جس کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔ آپ بہت خوبصورت نوجوان تھے اور مدرس تھے۔ خاکسار نے ہجرت کے وقت آپ سے فارسی پڑھی تھی۔ ابھی بھی ایک آدھ جملہ یاد ہے مثلاً... دو برادر بودند یک خدمتِ سرکار و دیگرے بسی بازو نان خورد......

اب مختصراً بعض خاندانوں کا ذکر کروں گا......

کالابن میں رہائش پذیر خاندان

میاں بہادر علی، میاں عطاء محمد ولد گلا، آپ کی والدہ کا نام پارو بی بی تھا۔ یہ خاندان کالابن میں رہائش پذیر تھا۔

بابا لخیا مونہیاں والے، آپ کے بیٹے علی حیدر، محمد دین اور سردار تھے۔

بسیا لا خاندان، والد صاحب کا نام نہیں مل سکا۔ آپ تین بھائی میاں محمد شفیع، میاں دین محمد عرف دانوں اور میاں سعد تھے۔

بابا غلام محمد عرف گاماں، ان کے بیٹے میاں عطاء محمد اور میاں ہدایت اللہ تھے۔

بابا اخر اللہ صاحب، آپ کے بیٹے کا نام میاں جمال دین اور جمال دین کے بیٹے محمد حسین، حسن دین اور نجم دین تھے۔

بابا جیموں مونہیاں والے، آپ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی سے میاں دیوان علی، سلطان علی اور سلطان علی کا بیٹا بہادر علی تھا۔ دوسری بیوی سے میاں فقیر محمد اور رائے ولی تھے۔ میاں دیوان علی کا ایک بیٹا بشیر احمد تھا اور ایک ہی بیٹا تھا۔ جو فرقان فورس میں خدمت کے دوران شہید ہو گیا تھا۔ میاں دیوان علی کی چھ بیٹیاں تھیں۔

1۔ ہاشم بی، جن کی شادی فقیر محمد ولد گوہر سے ہوئی۔

2۔ غلام بی، ان کے شوہر کا نام بھی فقیر محمد ولد میر علی تھا۔

3۔ جنت بی بی، آپ کی پہلی شادی میاں عبد اللطیف جکالا والے سے ہوئی اور

دوسری شادی میاں فیروز دین سے ہوئی۔

4۔ جمال بی، ان کی شادی علی احمد سے ہوئی۔

5۔ نور بی، ان کی شادی محمد عالم سے ہوئی۔

6۔ ناظر بی، ان کی شادی سیف علی ولد سوہا سے ہوئی۔

محمد عالم کے والد کا نام ستر دین تھا اور ستر دین کے والد کا نام سخی محمد تھا۔ آپ کے بیٹے صلاح محمد حضرت مسیح موعودؑ کے رفیق تھے۔ قادیان میں جون 1908ء میں فوت ہوئے۔ میاں صلاح محمد بیت مبارک میں مئوذن تھے۔ آپ کی اولاد نہیں تھی۔

میاں دیوان علی کی تین بہنیں تھیں۔ جس میں ایک کا نام نمانی تھا۔ آپ کے دو بیٹے تھے ایک ہدیت اللہ اور دوسرا دانو تھا۔ دوسری بہن بیگماں تھی۔ نمانی کی شادی میر علی سے ہوئی تیسری بہن کا نام ساہنا یا کچھ اور تھا۔

سیف علی کے ایک بھائی شمس دین، دوسرے فضل دین، تیسرے جمال دین اور چوتھے عبدالکریم تھے۔ آپ کی والدہ کا نام میراں بی تھا۔

میاں دیوان علی کی بیٹی نور بی کی شادی میاں محمد عالم ولد ستر دین سے ہوئی۔ ان کے چار بیٹے پروفیسر عبدالقیوم، عبدالقدیر، عبدالقادر اور عبدالمنان ہیں جبکہ بیٹیاں بشریٰ احمد، مبشرہ اور امتہ القیوم ہیں۔

میاں میرباز کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام فیروز دین اور عبدالغنی تھے۔ آپ چارکوٹ سے بعد میں بڈھانوں چلے گئے تھے۔ آپ کی پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام محمداں، شادو، راج کلی، باو کلی اور بساں تھے۔ بساں کی شادی میاں ثناء اللہ جو کہ قاضی محمد اکبر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، سے بڈھانوں میں ہوئی۔

ایک خاندان چارکوٹ بمقام ڈھوک میں رہتا تھا۔ جو چار بھائی تھے ان کے نام شیر ولی، بہادر علی، قاسم، اور کرم علی تھے۔ لیکن ان کے والدین کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

چارکوٹ میں سنبل والا کے مقام پر ایک خاندان میاں گوہر کا تھا۔ آپ کے چھ

بیٹے تھے۔ فقیر محمد، ہدایت اللہ، نورا (غالباً حقیقی نام نور محمد)، جمال دین اور محمد عالم۔ ایک بیٹے کا نام مستحضر نہیں۔

ایک دوسرا خاندان میاں سخی محمد کا تھا ان کے بھی چھ بیٹے تھے جن کے نام شبیر محمد، سلطان محمد، ستار، فتح محمد، عطا محمد اور صلاح محمد تھا۔

چارکوٹ میں گکھڑ خاندان کے سرکردہ افراد میاں روشن دین، میاں حیات علی، میاں جمال دین، میاں احمد اللہ، میاں شیر محمد اور مولوی نظام دین مہمان بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس فیملی سے غلام دین اور فیروز دین بھی تھے۔ میاں غلام قادر صاحب بھی گکھڑ خاندان سے تھے مگر آپ چارکوٹ کے نہ تھے۔ بلکہ مینڈر پونچھ کی طرف کے تھے۔

میاں علم دین صاحب

آپ کے دو بیٹے اور غالباً پانچ بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹے مولوی بشیر احمد مولوی فاضل تھے۔ آپ کی شادی حسینی بیگم بنت میاں احمد اللہ سے ہوئی تھی۔ آپ راجوری کے اسکول میں عربی کے استاد تھے۔ دوسرے بیٹے منشی نذیر احمد تھے۔ آپ غالباً فوج میں بھی رہے یا کم از کم جنگ آزادی میں رضا کاروں کو جمع کرتے، ٹریننگ دیتے اور محاذِ جنگ پر بھجواتے۔ بعد میں آپ سندھ آگئے اور جماعت کی زمینوں پر منشی ہو گئے آپ نے دو شادیاں کیں ایک کا نام شالماں اور دوسری کا نام رحمت بی بی تھا۔

میاں علم دین کی بڑی بیٹی کا نام کالی تھا۔ آپ کالابن میں رہتی تھیں۔ ان کے بیٹے ماسٹر محمد حنیف، صوبیدار رشید احمد اور عبدالحلیم ہیں۔ دوسری بیٹی بیگماں تھی۔ آپ میاں غلام محمد کی بیوی تھیں آپ کا ذکر تفصیلاً قبل ازیں آ گیا ہے۔ تیسری بیٹی جان بی بی تھیں۔ آپ کی پہلی شادی میاں بہادر علی سے ہوئی۔ ان سے آپ کا ایک بیٹا عبدالسلام اور بیٹی لال بی بی تھیں۔ بہادر علی کی وفات کے بعد آپ نے علی حیدر سے دوسری شادی کی جن سے آپ کا بیٹا

منظور احمد ہے۔ چوتھی بیٹی حسینی تھی۔ جس کی شادی میاں عنایت اللہ سے ہوئی تھی۔ جو رہتال میں قیام پذیر ہے۔ پانچویں بیٹی سلیمہ تھیں۔ ان کی شادی سیف علی سے ہوئی تھی۔

چارکوٹ میں ایک خاندان میاں عزیر اللہ کسے والوں کا تھا آپ کے دو بھائی میاں روشن اور میاں حسیناں تھے۔ پھر ایک خاندان میاں عبدالکریم کسے والے تھے۔ ان کے ایک بھائی میاں دوست محمد اور ان کی تین بہنیں تاجاں اور بانی اہلیہ الف دین یہاں رہتی تھیں۔ ایک بہن صفورہ ساج میں رہتی تھی۔ میاں عبدالکریم کے بیٹے مولوی بشیر احمد صاحب قمر ہیں۔ آپ سلسلہ کے مربی تھے۔ اور لمبا عرصہ دین کی خدمت میں ملک سے باہر رہے۔ بعد ازاں تادمِ آخر ربوہ میں بطور ناظر تعلیم القرآن خدمت کی توفیق پائی۔ اور 2008ء میں وفات پائی۔ آپ کے ایک بیٹے مولانا نصیر احمد قمر صاحب ہیں۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے پرائیوٹ سیکرٹری تھے اور آج کل الفضل انٹرنیشنل کے ایڈیٹر ہیں۔

ایک خاندان میاں عطاء اللہ کسے والے تھے۔ ان کی بیٹی زینب بی بی کی شادی میاں رفیق ولد میاں عطاء اللہ بڈہانوں والوں سے ہوئی۔ آپ کا ایک بیٹا بھی تھا مگر ان کا نام معلوم نہیں۔

چارکوٹ میں ایک خاندان میاں الف دین ولد نورا (نور محمد) کا بھی تھا۔ نورا کی بیوی کا نام روڈی بیگم تھا۔ آپ کے ایک بھائی فقیر محمد اور دوسرے میاں علم دین تھے۔ میاں علم دین قاضی محمد اکبر صاحب کے داماد تھے۔ میاں الف دین کے بیٹوں کے نام محمد حسین، محمد یعقوب، محمد شریف اور رمولوی عبدالحق تھے محمد حسین کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔

نمبردار حبیب، یہ شخص جماعت کا سخت مخالف تھا اور اس کے بیٹے بھی سخت مخالف تھے۔ اس کے چار بیٹے عبداللہ، فتح محمد، علی بہادر اور سیدا تھے۔ فتح محمد کو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ کوڑھ ہو گیا تھا۔ اسکی دو بیٹیاں تھیں ایک بیگماں اور دوسری شادہ تھی۔ بیگماں کی شادی پہلے غلام رسول سے ہوئی تھی۔ جس سے ایک بیٹا محمد عالم اور ایک بیٹی تھی۔ بیگماں کی دوسری شادی میاں فضل دین ابن قاضی محمد اکبر صاحب سے ہوئی اور وہ بمعہ دونوں بچوں کے

احمدی ہو گئی۔

حبیب نمبردار کے بیٹے عبداللہ کے پانچ بیٹے شاہ محمد، فیروز دین، علی اکبر، محمد شفیع اور محمد حسین تھے۔ فیروز دین کا بیٹا ستر دین تھا۔ ستر دین نہ صرف خود احمدی ہوا، بلکہ اپنے پانچوں چچاؤں کو بھی احمدیت کے نور سے منور کیا۔ حبیب کا بیٹا فتح محمد ''اِنی مُھِین مَن اَرادَ اِھانَتکَ'' کی وعید کے نیچے آیا اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو کر عوام الناس کے لیے عبرت کا باعث بن گیا۔

میاں دیدار بخش کی ایک بہن باؤ کلی تھیں۔ جن کی شادی سواج سے ہوئی۔ اسی طرح ایک بہن کرم کلی کی شادی بھی غیر احمدیوں میں ہوئی اور ساج میں قیام پذیر تھیں۔ ایک تیسری بہن بدھے تھیں۔ ان کی شادی میاں فقیر علی سے ہوئی۔ باؤ کلی بھی احمدی نہ تھیں۔ مگر آگے نسل میں لوگ احمدی ہوئے جیسا کہ بیٹا محمد دین تھا۔ پھر میاں دیوان علی قرینہیا والے تھے۔ آپ حضرت اقدسؑ کے رفیق تھے۔ آپ کا ایک بیٹا دین محمد تھا اور دو بیٹیاں بھی تھیں۔

ایک خاندان میاں دیوان علی دندے والوں کا تھا۔ آپ کے ایک بیٹے مولوی نذیر احمد تھے۔ میاں دیوان علی کی بیوی کا نام جان بی تھا۔ مولوی نذیر صاحب لاہور میں قیام پذیر تھے اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی ہے۔

ایک دوست میاں صلہ (صلاح محمد) کمہار تھے آپ سلوا میں قیام پذیر تھے۔ مگر آپ کی فیملی کے بارے میں علم نہیں۔

خدا تعالیٰ کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔ کون کیا کر سکتا تھا، وہ لوگ جو صدیوں سے اپنے گھروں میں عزت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ 1947ء کی عظیم تقسیم کی وجہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر کسمپرسی کی حالت میں دربدر ہو جائیں گے۔ ایک لمبا عرصہ کیمپوں میں پناہ گزین ہو کر بدحالی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے اور سینکڑوں لوگ انتہائی بے بسی سے موت کا شکار ہو جائیں گے۔ کہیں دشمن کی توپوں اور جہازوں کی بمباری تو

کہیں بھوک اور افلاس کی نذر ہو جاویں گے۔ وہ لوگ جن کی مستورات کے قدم گھر کی دہلیز سے کبھی باہر نہ نکلے تھے اور ان کے چہرہ پر کسی کی نظر نہ پڑی تھی۔ وہ جو عزت اور احترام سے اپنے علاقہ کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ وہ لوگ جو اپنی ایک شناخت رکھتے تھے۔ وہ بے نام و بے توقیر ہو کر ایک ایک کر کے زمانے کی ستم ظریفی کی نذر ہو جائیں گے۔ اکثر کو کیمپوں کی لمبی تاریک رات نگل گئی اور جو بچے، ان کو سنبھلنے کے لیے ایک زمانہ درکار تھا۔ اور جب لمبی رات کے بعد آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ قافلہ کے سالار حالات کی نذر ہو گئے ہیں اور تقریباً ایک پوری نسل اس اتھل پتھل کی نذر ہو گئی۔ آخر ایک لمبی جدوجہد کے بعد اگلی نسل نے زندگی کی راہ اپنائی۔ مگر وہ رعب اور عزت اور جتھا جو ان کے آباؤ اجداد کو نصیب تھا وہ ان کو میسر نہ آ سکا۔ سارا خاندان قیامِ پاکستان میں بکھر گیا۔ نئی نسل میں سے اکثریت نے تعلیم حاصل کی ہے اور آہستہ آہستہ پھر اپنی نئی شناخت بنا رہی ہے اور امید کی روشنی آنے والے دنوں کی راہنمائی کر رہی ہے۔ اور امید کی جا رہی ہے کہ وہ مستقبل میں اپنی شناخت اور پہچان بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور جس روحانی سفر کا آغاز چارکوٹ کے ان درویش باسیوں نے کیا تھا۔ احمدیت کی ترقی اور اسلام کی فتح میں یہ نئی نسل بھی معاون و مددگار ثابت ہو۔

علاقہ کا حدودِ اربعہ اور سماجی و جغرافیائی حالات

صوبہ جموں کا وہ علاقہ جو پیر پنجال پہاڑی سلسلہ کے جنوب میں واقع ہے۔ وہ کئی وادیوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک وادی پیر پنجال سے شروع ہو کر راجوری شہر تک آتی تھی۔ اس میں دریائے توی کی ایک شاخ تھی جو اس علاقہ کو سیراب کرتی تھی اور راجوری شہر کے بعد دریائے توی کی اس شاخ میں مل جاتی تھی جو سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے مختلف علاقوں سے چھوٹی چھوٹی شاخوں سے تیار ہوتا ہوا راجوری شہر کے بعد دریائے توی بنتا تھا۔ گو آگے جا کر اس میں بہت چھوٹی بڑی ندیاں ملتی تھیں اور یہ دریائے چناب کی

شکل میں پنجاب میں داخل ہوتا تھا۔ یہ وادی جس کی لمبائی پچیس تیس میل لمبی اور چند میل چوڑی تھی۔ اس کی اکثر زمین بارانی تھی، مگر دریا کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین بھی کم نہ تھی۔ چونکہ بارشیں وقت پر اور مناسب ہوتی تھیں اس لیے بارانی علاقہ بھی زرخیز تھا۔ اس میں چاول کے علاوہ گندم اور مکئی وغیرہ کاشت ہوتی تھی۔ البتہ نہری زمین مثلاً رہتال اور بڈہانوں میں چاول اور دیگر فصل کاشت ہوتی تھی۔ ہر قسم کے پھلدار درخت خودرو تھے۔ مثلاً خورمانیاں، ہاڑیاں، آڑو، ناشپاتیاں، شکرملوک، آخرے، توت، شہتوت، کرماڑے، اخروٹ، عناب، انجیر، آلو بخارا، انگور وغیرہ لیکن لوگوں نے باقاعدہ باغ بھی لگائے ہوئے تھے۔ علاقہ انتہائی پسماندہ تھا۔ کوئی سڑک نہ تھی صرف کچے راستے تھے اور سفر پیدل یا گھوڑوں پر کیا جاتا۔ تمام وادی میں پہاڑی زبان بولی جاتی تھی۔ جو کہ اب بھی پاکستان میں رہائش پذیر اس علاقہ کے بڑے بوڑھے آپس میں بولتے ہیں۔ لیکن نئی نسل اس زبان سے تقریباً نابلد ہے۔

دوسری وادی ساج اور دیگر علاقوں پر مشتمل تھی۔ اس کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ اس پوری وادی میں صرف دو مڈل اسکول تھے۔ ایک راجوری شہر میں تھا جس سے فائدہ صرف ہندو ہی اٹھاتے تھے اور مسلمان نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسی طرح ایک اسکول وادی کے بالکل درمیان میں اوجھان کے مقام پر تھا۔ جو رہتال سے تقریباً چار پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ جہاں رہتال کے بچے پڑھنے جاتے اور بڈہانوں سے بھی بچے یہاں پڑھنے آتے۔ اب سنا ہے کہ رہتال کے پاس راجوری شہر سے کچھ فاصلہ پر بمقام کھیورہ ڈگری کالج بن چکا ہے۔ اور اس کے قریب ہی ایک یونیورسٹی اور ہسپتال بھی موجود ہے۔ وادی کے انتہائی آخر پر بڑی درال کا قصبہ تھا۔ بڈہانوں کو چھوٹی درال بھی کہتے تھے۔ بڑی درال میں ملک قوم آباد تھی۔ اور یہاں جرال قوم بھی آباد تھی۔ جو اپنے آپ کو مرزا بھی کہتے تھے۔ 1946ء میں رہتال کے قریب چوہدری ناڑ قصبہ میں ایک پرائمری اسکول کا اجراء ہوا لیکن اس کے اردگرد بھی ہندو آبادی زیادہ تھی۔ غربت انتہا پر تھی، تمام

زمین مہاراجہ یا اس کے عزیزوں کی ملکیت تصور کی جاتی اور ہر فصل پر اس کو ایک حصہ دیا جاتا۔ غربت کی انتہا کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں۔ کہ آبادی کا اکثر حصہ رات کو کپڑے اتار کر سوتا تھا کہ کپڑے پھٹ جاویں گے۔ ہندو یا تو شہر میں رہتے یا شہر کے قریب، جہالت کا یہ حال تھا کہ سوائے چند خاندانوں کے کسی نے اسکول کی شکل نہ دیکھی تھی۔ اگر کہیں سے خط آ جاتا تو اس کو پڑھانے کے لیے آدمی تلاش کرنا پڑتا۔ مسلمان گندے رہتے تھے۔ مٹی کے برتنوں میں کھانا پکاتے اور کھاتے تھے۔ علاقہ میں جو قومیں آباد تھیں۔ ان میں گجر، جرال، راجپوت، بکروال۔ بکروال اپنی ہزاروں بکریوں کو گرمیوں میں وادی کشمیر اور سردیوں میں جموں کی طرف لے جاتے۔ یہ لوگ خانہ بدوش تھے کسی جگہ قیام نہیں کرتے تھے۔ نہ کاشتکاری کرتے اور نہ ہی مکان بناتے، بلکہ اپنے قبیلہ کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہتے۔ ان کی بکریوں کے ریوڑ علاقوں میں میلوں پھیلے ہوتے۔ ہندو مسلمانوں سے الگ تھلگ رہتے اور تعصب انتہا درجہ کا تھا۔ اپنے برتنوں کو مسلمانوں کو ہاتھ نہ لگانے دیتے، اسی طرح رسوئی (کھانا پکانے کی جگہ) کو صاف ستھرا رکھتے اور کوشش کرتے کہ کوئی غیر ہندو وہاں نہ جائے۔ ہندو اتنے متعصب تھے کہ اگر ہندو عورت پانی گاگر میں بھر کر لے جا رہی ہوتی اور راستے میں کسی مسلمان کا سایہ اس پر پڑ جاتا تو برتن کا پانی گرا کر مٹی سے اسے مانجتی، دوبارہ بھرتی اور کہتی مسلمان نے اسے بھرشٹ کر دیا۔ مسلمان باہم شیر وشکر رہتے، کوئی مذہبی تعصب نہ تھا۔ سنی العقیدہ مسلمان زیادہ تھے یا اہلحدیث۔ اور اہلحدیث ہی سب سے پہلے احمدیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اہلِ تشیع اگر تھے بھی تو ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ خاکسار نے علاقہ میں صرف ایک خاندان دیکھا تھا وہ بھی سید کہلاتا تھا مگر شیعہ وہ بھی نہیں کہلاتا تھا۔ ان کا گزارہ بھی لوگوں کی امداد پر تھا۔ جوں جوں احمدیت پھیلنی شروع ہوئی علم کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی۔ افرادِ جماعت اپنے بچوں اور بچیوں کو گھروں یا محلوں میں تعلیم دینی شروع ہو گئے اور خدا کے فضل و کرم سے دوسری نسل تو عرفِ عام میں تعلیم یافتہ تھی۔ بڑے بوڑھوں میں بھی پڑھنے کی حد تک

سُدھ بُدھ آ گئی تھی اور دینی لحاظ سے تو مرد و عورتیں بچے بنیادی دینی احکام کو جانتے اور اسکے مطابق عمل کرتے۔ علاقے میں ڈاکے، چوری چکاری بالکل مفقود تھی۔ ہر آدمی کوئی نہ کوئی کام کرتا۔ لوگ خاندان کی صورت میں رہتے اس لیے ایک دوسرے کی ضروریات کا بندوبست کیا جاتا۔ کوئی آدمی بیکار نہ رہتا۔ لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ اکیلی عورت ایک جگہ سے دوسری جگہ بے خوف و خطر سفر کر سکتی تھی اور کوئی اس پر ہاتھ نہ ڈال سکتا تھا۔ علاقہ انتہائی سرسبز تھا جنگلات بھی تھے جا بجا چشمے تھے پھر دریا اور کسیاں تھیں۔ وہ دریا جو صرف بارش کی وجہ سے رواں ہوتے ان کو کسی کہتے ہیں۔ پیر پنجال پر برف سارا سال رہتی۔ رہتال تک ہر سال برف پڑتی لیکن تیسرے سال برف بہت زیادہ پڑتی جو کئی فٹ تک ہوتی۔ لیکن فروری کے آخر تک پگھل جاتی۔ سردیوں میں شدید سردی پڑتی جبکہ گرمیوں میں گرمی پڑتی۔ سردیاں اکتوبر سے لے کر مارچ تک ہوتیں۔ سردیاں اتنی شدید ہوتیں کہ تالابوں کا پانی اوپر سے برف کی طرح جم جاتا جو دوپہر کے قریب ختم ہوتا اور اگر دھوپ نہ نکلتی تو کورا شام تک رہتا۔ دریا پیر پنجال سے شروع ہوتا اور چونکہ یہ برف اور چشموں سے بنتا اس لئے بہت ٹھنڈا ہوتا۔ دریا میں ٹراؤٹ قسم کی مچھلی ہوتی جس کو مقامی زبان میں لس کہتے۔ اس کو کئی طرح سے پکڑا جاتا ایک طریقہ یہ ہوتا کہ دریا کی بڑی شاخ پر ڈکا (روک) پتھروں سے بنایا جاتا جو اتنا بڑا ہوتا کہ مچھلی آسانی سے کود کر اوپر نہ چڑھ سکے البتہ کناروں سے ڈکے (روک) کی وجہ سے پانی کا بہاؤ کم رکھا جاتا۔ مچھلی چونکہ پانی کے بہاؤ کے خلاف تیرتی اس لیے وہ ڈکے کے کم بہاؤ والے یعنی دونوں کناروں کی طرف آتی اور اس کو ایک خاص طرح سے گھیر لیا جاتا۔ ڈکے کے دونوں طرف آدمی رات کو حفاظت کے لیے ہوتے صبح ہوتے ہی ان کو پکڑ لیا جاتا۔ پھر ایک طریقہ یہ ہوتا کہ دریا کی کوئی ایک شاخ پتھروں سے بند کر دی جاتی اور جہاں اس شاخ کے گرنے سے ایک تالاب سا بن جاتا اس میں ایک درخت تمبر کے دانے کوٹ یا پیس کر سیروں کے حساب سے ڈال کر پانی کو ہلایا جاتا۔ جس سے وقتی طور پر مچھلی اندھی ہو کر اوپر آ جاتی جس کو جالی دار کپڑے یا کسی

طریقہ سے پکڑ لیا جاتا۔ بعد میں پانی کھول دیا جاتا۔ پھر جال سے بھی مچھلی پکڑی جاتی۔ لوگ کثرت سے جانور گھروں میں پالتے جس سے مکھن دودھ گوشت گھر میں ملتا۔ گائے کو ذبح کرنے پر دس سال کی قید ہوتی۔ ایک دفعہ ہمارے والد صاحب نے ایک بھینس ذبح کی، جس پر علاقہ کے ہندوؤں نے شرارت سے پولیس کو رپورٹ کر دی کہ انہوں نے گائے کاٹی ہے۔ وقتی طور پر ہمارے سارے خاندان کو کافی تکلیف پہنچی مگر بعد میں جب پولیس نے گوشت برآمد کیا تو تھانیدار نے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ تو گائے کا گوشت نہیں بلکہ بھینس کا ہے۔ اس نے والد صاحب کو کہا کہ آپ ان ہندوؤں کے خلاف پرچہ کٹوائیں مگر والد صاحب نے مقدمہ بازی سے انکار کر دیا۔ وہ تھانیدار ہندو تھا اس ساری خباثت میں ایک ہندو عورت لچھو اور اس کا خاندان ملوث تھا۔ بعد میں اس کی ایک بیٹی مسلمان سپاہی کے ساتھ پنجاب بھاگ گئی۔ پھر 1947ء کے فسادات میں اس خاندان نے ہمارے خاندان سے حفاظت کی درخواست کی اور کئی ماہ تک ہمارے خاندان کی حفاظت میں رہا۔ کئی دن وہ ہمارے ماموں کے گھر رہا۔ وقتی طور پر مسلمان بھی ہو گیا مگر جب بعد میں ہندوستانی فوجیں آگئیں تو یہ پھر ہندو ہو گیا۔ اس خاندان کا فرد کرپا رام تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ خاکسار جب کہ ایک بچہ تھا جب بھی ملتا تو زور زور سے السلام علیکم کہتا رہتا، جب تک خاکسار اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے لڑائی جھگڑا نہ ہوتا۔ مقدمہ بازی نہ کی جاتی تھی۔ کچہری کوئی نہ جاتا۔ رشوت کا کوئی تصور نہ تھا۔ باہمی رنجشیں نہ بڑھائی جاتیں۔ میں نے اپنی زندگی میں وہاں کوئی قتل کا واقعہ نہیں سنا اس لیے مقدمہ بازی کی نوبت ہی نہ آتی۔ بزرگ باہم فیصلہ کروا دیتے جو سب کو قبول ہوتا۔ بعد میں پاکستان بننے کے بعد پنجاب کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مقدمہ بازی سے برباد ہو جاتے ہیں۔ جائیدادیں تک فروخت ہو جاتی ہیں۔ باہم کسی قسم کا تعصب نہ تھا۔ ہندو مسلم سب امن و امان سے رہتے۔ لیکن جوں جوں تقسیم کی باتیں شروع ہوئیں باہم ہندو مسلم تناؤ شروع ہو گیا اور

خاص کر سکھ پنجاب سے راجوری پہنچے تو کشیدگی بہت بڑھ گئی۔ جو آخر مخلوق خدا کی تباہی اور بربادی پر ختم ہوئی۔ راجوری اور اس کے ارد گرد ہندوؤں پر بڑی بربادی آئی۔ ہزاروں ہزار لوگ قتل و زہر خورانی سے مر گئے۔ عورتوں، بچوں اور مردوں نے زہر کھا کر اپنی زندگی ختم کر لی اور شہر کو لوٹ لیا گیا۔ راقم اپنے ماموں اور دیگر نوجوانوں کے ساتھ راشن تقسیم کرنے گیا تو سارے شہر کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انسانوں کی سنگدلی کو بھی دیکھا۔ تحصیل کا کمپاؤنڈ جو کہ ایک وسیع قطعہ پر واقع تھا۔ وہ انسانی لاشوں سے اٹا پڑا تھا لیکن ان کو کسی نے مارا نہیں تھا بلکہ عورتوں بچوں اور مردوں نے زہر کھا کر زندگیاں ختم کر لیں۔ وہ نظارہ آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے کہ کس طرح انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ لیکن جموں اور مشرقی پنجاب میں جو ہندوؤں اور سکھوں نے کیا اسکے سامنے یہ کچھ بھی نہ تھا۔ مگر جو بھی ہوا جس نے بھی کیا بہت برا کیا۔ تجارت پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ مسلمان صرف کاشتکاری یا مزدوری کرتے تھے۔ صدیوں کی غلامی کی وجہ سے لوگ بزدل اور ڈرپوک ہو گئے تھے لیکن خدا کا خوف ہر ایک کے دل میں تھا۔ ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا رشتہ داریاں خاندان میں ہی کی جاتیں۔ تمام لوگ خواہ کسی بھی فرقہ یا گروہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے۔ فوری پیغام رسانی کا طریقہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی کسی اونچی جگہ سے بآواز بلند پیغام دیتا اور جس تک یہ آواز پہنچتی وہ فوری طور پر آگے پیغام پہنچا دیتا۔ یہ پیغام رسانی خاص طور پر 1947ء کے فسادات میں بہت کامیاب رہی۔ اس طرح لوگ وقت سے بہت پہلے مقابلے کے لیے تیار ہو جاتے اور پورا علاقہ مزعومہ دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑتا۔ لیکن اکثر ایسے کسی مقابلے کی نوبت نہ آتی۔ ہر گروہ ہندو مسلم ایک دوسرے کو آزمانے کے لیے کرتا مگر جب تباہی آئی تو کسی پیغام رسانی کی ضرورت نہ پڑی بلکہ یکدم چند رضا کاروں نے یہ کام کیا اور مہاراجہ کی فوج علاقہ چھوڑ کر راتوں رات بھاگ گئی۔ ہر قوم شادی بیاہ اپنے ہاں ہی کرتے اور غیر ضروری اخراجات سے بچا جاتا۔ لڑکی والوں پر ناجائز خرچہ نہ ڈالا جاتا بلکہ لڑکے والے

چاول ،بکرا کپڑے اور زیور وغیرہ پہلے سے لڑکی والوں کے ہاں بھجوا دیتے ۔ دلہن کو ڈولی میں ہی لایا جاتا خواہ کتنا ہی فاصلہ ہوتا۔ میرے بڑے بھائی کی شادی بڈہانوں میں ہوئی تو راقم کی بھابھی کو ڈولی میں بٹھا کر لایا گیا تھا۔ حالانکہ فاصلہ تقریباً دس میل کے قریب تھا۔ جماعت میں ڈھول ڈھمکا ترک کر دیا گیا تھا مگر دوسرے خوب اہتمام کرتے ۔ غمی خوشی پر پورا خاندان اکٹھا ہو جاتا ۔شادی بیاہ میں عورتیں کافی عرصہ پہلے پہنچ جاتیں اور کام میں ہاتھ بٹاتیں ۔اس کے علاوہ بعض تقریبات میں تمام خاندان اکٹھا ہو کر کام کرتا مثلاً گوڈی ، لتیری، گاڈھی بنانا وغیرہ۔ گوڈی میں مرد عورتیں سب مل کر کام کرتے ،خاص طور پر نوجوان مرد اور عورتیں ۔لتیری یعنی رکھوں سے مرد گھاس کاٹتے اور گاڈی یعنی اس سوکھی گھاس کو ایک خاص طرح سے اکٹھا کرنا ہوتا تا کہ بارشوں سے گیلا ہو کر سڑ نہ جائے ۔ان تمام موقعوں پر دو گروپ بن جاتے۔ دوسرے ڈھول پیٹتے مگر احمدی کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ۔اور اس طرح پڑھتے کہ ایک گروپ لا الہٰ الا اللہ اور دوسرا گروپ محمد رسول اللہ پڑھتا۔ ہماری زبان میں الا اللہ کو یل اللہ پڑھا جاتا ۔ان تقریبات میں ایک کھانا لازمی ہوتا کہ تمام مرد ایک گول دائرہ میں بیٹھ جاتے اور برتن آگے رکھ لیا جاتا ۔ایک آدمی اس برتن میں چاول ڈالتا جاتا دوسرا شکر اور تیسرا ڈونگے سے دیسی گھی ڈالتا جاتا جسے اچھی طرح ملا کر اُس میں نیاز بو سے خوشبو کر لی جاتی۔ عام کھانے میں دال چاول ایک وقت کا کھانا لازمی ہوتا ۔مکان کے دو حصے ہوتے ،ایک میں خود سوتے اور دوسرے میں جانور۔ یہ صرف سردیوں میں ہوتا کیونکہ سردیوں میں شدید سردی پڑتی ۔جبکہ گرمیوں میں تمام لوگ صحن میں سوتے اور جانور کھلی جگہ باندھ دیئے جاتے ۔ پھل ہر موسم میں ہوتا اور چونکہ پھل فروخت کرنے کا رواج نہ تھا۔ اور ذرائع آمد و رفت بھی کم تھے۔ اس لیے یہ پھل گل کر کھاد کا کام کرتا۔ اناج کی قیمتوں کا اندازہ اس سے لگالیں کہ 1945ء کے قریب گندم ایک روپے کی پینتیس سیر، چاول بیس سیر، جَو دو من اور مکئی ایک من۔ یہی حالت کپڑے کی تھی میرا خیال ہے دس روپے میں گھر بھر کا کپڑا تیار ہو جاتا تھا۔ گرم علاقوں کے پھل نہیں ہو

سکتے تھے۔ خاکسار نے کئی مرتبہ آم لگانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ جونہی برف باری ہوتی پودا سڑ جاتا۔ نیز برف باری شروع ہوتے ہی تمام کاروبارِ زندگی معطل ہو جاتے ۔لوگ یا تو شکار کرنے نکل جاتے یا عزیز و اقارب ایک دوسرے کے ہاں جا کر بات چیت کرتے ۔شام ہوتے ہی لوگ گھروں میں بند ہو جاتے اور خشک میوہ جات اگر میسر ہوتے تو وہ وگرنہ مکئی کے دانے بھون کے کھائے جاتے اور پرانے قصے اور واقعات سنائے جاتے ۔مگر جونہی برف پگھلنا شروع ہوتی تو کاروبارِ زندگی رواں دواں ہو جاتے۔

کالابن کوٹلی کے دیگر احباب

بہادر علی ولد غلام محمد۔ مہر بخش ولد حمید اللہ۔ محمد عبداللہ ولد حمید اللہ۔ شاہ محمد۔ فیروز دین۔ رحمت اللہ۔ میاں فرمان علی۔ عطا محمد گلا۔ فقیر محمد۔ اکبر علی۔ جلال دین۔ یہ لوگ قاضی محمد اکبر صاحب کے ذریعہ سے احمدی ہوئے ۔بعد میں خدا کے فضل و کرم سے ان کی اولادوں نے کافی ترقی کی ۔اسی طرح مکرم دل محمد ولد حشمت آف سنگیوٹ نے بھی بیعت کی ۔ان کا تعلق براہِ راست چارکوٹ کی جماعت سے نہ تھا۔

میاں منگا صاحب ،آپ لوہار کہ نزد چارکوٹ کے رہنے والے تھے۔ مگر آپ کا تعلق بھٹی خاندان چارکوٹ والوں سے نہ تھا۔ آپ غالباً خود قادیان گئے مگر رفیق حضرت اقدس نہ تھے آپ کے ایک بیٹے مولوی عبد الرحیم سلسلہ کے معلم تھے۔

میاں صلاح محمد، آپ سنگیوٹ تحصیل مینڈر کے رہائشی تھے اور آپ کا تعلق چارکوٹ کی جماعت سے نہ تھا۔ آپ کے ایک بیٹے محترم میر غلام احمد نسیم صاحب تھے جو کہ مربی سلسلہ ہیں۔ آپ محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ کے ہم زلف تھے۔ مگر آپ کا بھی بھٹی خاندان سے تعلق نہ تھا۔ محترم مولوی غلام احمد نسیم صاحب کو خاکسار ربوہ میں جانتا تھا آپ محترم راجہ خورشید احمد منیر صاحب سے جامعہ احمدیہ میں جونیئر تھے ۔ایک دفعہ آپ نے کسی جماعتی اجتماع میں اپنی پہاڑی زبان میں تقریر کی تھی۔ تحصیل مینڈر میں کئی

خاندان احمدی تھے۔ مگر ان کا تعلق برادری کے لحاظ سے چارکوٹ سے نہ تھا۔ جن میں سے
سید باقر علی صاحب اور ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک جعفر علی شاہ اور دوسرے غالباً جلال دین
شاہ تھے وغیرہ۔

قریشی محمد حنیف صاحب سائیکل سوار سیاح

ان کا تعلق تو غالباً میر پور سے تھا۔ مگر خاکسار نے آپ کو بچپن میں ربوہ جلسہ
سالانہ کے ایام میں کئی دفعہ دیکھا۔ آپ کا سائیکل ایک چلتا پھرتا جماعتی تبلیغ کا اشتہار
ہوتا۔ آپ سارے ہندوستان میں سائیکل پر سوار ہو کر تبلیغ کرتے تھے۔ امن کا دور تھا
غالباً لوگ کسی قسم کا تعرض نہ کرتے تھے۔ ورنہ آجکل کے دور میں تو احمدی ہونا ہی جرم ہے۔
وہ اگر آج کل کے دور میں ہوتے تو سائیکل سمیت تعصب کی آگ میں جلا دیئے
جاتے۔ بہر صورت وہ ایک نڈر قسم کے احمدی تھے۔ درمیانہ قد کے تھے اور پتلے دبلے
تھے۔ میں نے آپ کو پچاس کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں دیکھا تھا۔

حرفِ آخر

ان تمام بزرگوں کے تذکرہ کے بعد میں ایک اہم بات کی طرف توجہ مبذول کرانا
چاہتا ہوں کہ جیسا کہ قبل ازیں ذکر آ گیا ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ہمارے مالی وسائل ایسے
نہ تھے کہ میں اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکتا اور دو قیمتی تعلیمی سال اس لئے ضائع بھی ہو گئے کہ
میرے بڑے بھائی میرا تعلیمی بوجھ کنری سندھ سے باہر برداشت نہ کر سکتے تھے۔ سیدنا
حضرت المصلح الموعودؓ نے میرے تعلیمی اخراجات برداشت کئے۔ اور اس طرح میں اس
قابل ہوا کہ آج عزت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ یقیناً اور بھی بہت سے ایسے نادار طلباء ہوں
گے۔ جن پر حضرت المصلح الموعودؓ اور دیگر خلفائے احمدیت یہ شفقت بھرا احسان فرماتے
رہے اور آج وہ معاشرے کا ایک مفید اور معزز وجود ہیں۔ نادار طلباء کے متعلق جماعت کی
مدات ایسی ہیں کہ ہر دوست کو اس میں حصہ لینا چاہیے۔ ان میں سے ایک مد نظارتِ تعلیم
کے تحت امداد طلباء کی ہے اور دوسری یتامیٰ فنڈ ہے۔ جماعت کے اکثر صاحبِ حیثیت
احباب اس میں حصہ لیتے ہیں۔ لیکن ہر دو تحریکات کے لئے جماعت کو الفضل میں احباب
کو یاد دہانی کرانی پڑتی ہے اور آج کل کے حالات اور مہنگائی کے دور میں جبکہ تعلیم بہت
مہنگی ہو گئی ہے ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ دیگر مالی قربانیوں کے علاوہ ان دو
تحریکات میں بھی حصہ لیکر اپنے پیاروں کے نقش قدم پر چلے۔ اگر صاحبِ حیثیت ایک
طالبِ علم یا یتیم کے تعلیمی اخراجات کا بوجھ برداشت کرے، تو ہمارے بے سہارا بچے تعلیم
کے زیور سے سنور کر نہ صرف خود قوم کا قیمتی وجود بنیں گے بلکہ وہ دوست اس صدقہ جاریہ کی
وجہ سے اپنی اولاد کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی
قربانی کو ضائع کر دے۔ بلکہ ہمیشہ آپ کی اولاد کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا۔ اس کے

علاوہ ہر دوست خواہ ایک پیسہ بھی ان مدات میں دے سکتا ہو وہ ان جماعتی تحریکات میں حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو۔ کیونکہ یہ تحریکات یا تو خود حضرت مسیح موعودؑ نے شروع کیں یا آپ کے خلفاء نے۔

آج ہمارے کتنے ہی بچے ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ جماعت تو اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے۔ مگر افرادِ جماعت کی ذمہ داری بھی ہے کہ ایسے بچوں کو نہ صرف اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں بلکہ جماعت کے ذریعہ سے بھی ان کی مدد کی جاوے تاکہ کوئی بچہ ہماری لاپرواہی کی وجہ سے معاشرہ کا وجود بننے سے رہ نہ جائے۔ جب میں جماعت کے لفظ پر زور دیتا ہوں تو اس کا مقصد ہے کہ مستحق طلباء پر جماعت کا احسان ہو اور کسی بچے کی گردن زید یا بکر کے احسان کے سامنے نہ جھکے۔ چونکہ خلیفہ وقت قوم کا باپ ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے بچے اپنے باپ سے مانگتے ہیں اور باپ سے لے کر گردن اونچی ہوتی ہے کہ میرے باپ کا فرض ہے کہ میری ضرورت پوری کرے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس حقیر گذارش پر دوست توجہ کریں گے۔ اور ان دو تحریکات میں حصہ لیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ جماعت کوشش کرے کہ ہر بچہ کم از کم میٹرک تک ضرور تعلیم حاصل کرے۔ جبکہ موجودہ پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کم از کم F.A تک تعلیم حاصل کرنے کا تاکیدی ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح کی راحت بخش آغوش کی صورت میں ہر احمدی بچہ کا معین و محافظ ہو۔ آمین

خط محررہ بدستِ مبارک سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ

8 جولائی 1949ء

عزیزم شریف احمد

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپکے دو خط ملے۔ مبارک احمد کے متعلق مجھے خود خیال تھا کہ تعلیم پائے ہوشیار ہے مگر اسنے کہا کہ مین واپس وطن جانا چاہتا ہوں آپ رمضان کے بعد کیونکہ روزوں کو خواہ مخواہ خراب نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۹ تاریخ کو چل کر ۳۰ کو کوئٹہ پہنچ جائیں تب آپ کی ہمشیرہ کے متعلق بھی جو شکایت آپ نے کی ہے۔ میں خطوط وغیرہ لکھ دوں گا اور عزیزم مبارک احمد کے متعلق بھی آپ سب کوائف بتائینگے۔ تو میں فیصلہ کرسکوں گا۔ پڑھائی کی صورت کا فیصلہ ہوا تو پھر میرے لاہور جانے پر آپ عزیز کو لے کر لاہور آ جائینگے تو وہاں انتظام ہوگا۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

(خط کے لفافہ پر تحریر فرمودہ پتہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دستِ مبارک کی تحریر ہے)

عزیزم شریف سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ [illegible]

[illegible]

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

[illegible]

Kunri

Mirpur Khas

میرپور خاص سندھ

خط محررہ بدستِ مبارک سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ

ستمبر 1949ء

عزیزم شریف احمد سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا پھر بے ہودہ خط ملا جو ڈاک پڑھنے والے نے تعجب سے میرے سامنے پیش کیا۔ نہایت افسوس ہے کہ تم خط بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ جیسا کہ میں نے لکھا تھا۔ اپنی ہمشیرہ اور اپنے بھائی کو لے کر آ جاؤ۔ کیونکہ دوسرا فریق کچھ صلح پر آمادہ نظر آتا ہے تم نے یہ تو لکھا ہے کہ میرا آنا مشکل ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ کیوں مشکل ہے۔ میرے نزدیک تو تمہارا آنا اچھا ہے ہم اُنیس کو ربوہ غالباً جائینگے۔ اُسوقت آ جاؤ۔ عزیزم مبارک احمد کی تعلیم کا بھی انتظام کر دیا جائیگا۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

(خط کے لفافہ پر تحریر فرمودہ پتہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دستِ مبارک کی تحریر ہے)

خاکسار و برادرم شریف احمد راجوری

عزیزم شریف احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا ... خط ملا

[illegible]